مخزن نکات

یعنی

تذکرۂ شعراے اردو، تصنیف شیخ محمد قیام الدین 'قائم'

مع

مقدمہ و انتخاب کلام 'قائم'

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکرٹری انجمن ترقی اُردو۔

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن) اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے
جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن
سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی
اُن کی خدمت میں بذریعہ وی - پی روانہ کردی جایا کرے -
ہمیں اُمید ہے کہ قدردانان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس
قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست
میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو
فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے -
یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی
کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں
اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے
[illegible] اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —
معاونین کی خدمت میں کُل کتابیں جو آئندہ سے شائع
کی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)

تقی ۰

شیخ محمد قیام الدین (قائم) چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام مختلف تذکرہ نویسوں نے کسی قدر اختلاف سے لکھا ہے۔ مثلاً میر صاحب اپنی (نکات الشعرا) میں اور میر حسن اپنے تذکرے میں محمد قائم لکھتے ہیں۔ علی ابراہیم اور 'لطف' نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ مصحفی نے قیام الدین علی لکھا ہے۔ کردیزی بھی محمد قائم ہی لکھتا ہے۔ کمال اور گارساں دتاسی قائم الدین بتاتے ہیں۔ لیکن اصل نام محمد قیام الدین ہی ہے، جیسا کہ خود انھوں نے اس تذکرے کے شروع میں لکھا ہے۔ میر صاحب اور مصحفی ان سے ذاتی طور پر واقف تھے --

اگرچہ 'قائم' چاند پور کے رہنے والے تھے، لیکن ملازمت کے سلسلے میں ''بدوشعور'' سے اُن کا رہنا دہلی میں ہوا۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں وہ شاہی توپ خانے کے داروغہ ہوگئے۔ چنانچہ یہ تذکرہ بھی اُسی زمانے میں لکھنا شروع کردیا تھا جب کہ ان کا قیام دلی میں تھا۔ جب وہ دلی پہنچے ہیں تو میر تقی، خواجہ میر درد، سودا وغیرہ جیسے باکمال اُستاد وہاں موجود تھے اور اردو شاعری شباب پر تھی۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں خواجہ میر درد سے اصلاح لی مگر کچھ دنوں بعد مرزا رفیع السودا کے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ ''یہ اول شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے، اُن سے

ایسی بگڑی کہ ھجو کہی - تعجب یہ ھے کہ شاہ موصوف باوجودیکہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے مگر انھوں نے بھی ایک قطعہ اُن کے حق میں کہا - پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوے' اُن کے حق میں بھی کچھ سن کے الگ ھوے - پھر مرزا کی خدمت میں آے اور اُن سے پھرے'مرزا تومرزا تھے' انھوں نے سیدھا کیا'' اگرچہ اس تذکرے میں انھوں نے میاں ھدایت اللہ 'ھدایت' اور خواجہ میر درد دونوں کی بہت تعریف کی ھے اور کہیں ملال کا اظہار نہیں کیا' لیکن اپنی شاگردی اور مشورے کا بھی ذکر نہیں کیا - البتہ ان کادیوان دیکھنے پر ایک غزل میں یہ اشعار نظر آئے جن سے آزاد کے قول کی تصدیق ھوتی ھے-

حضرت درد کی خدمت میں میر ا ... لے*
عرض کی یوں کہ اے اُستاد زماں سنتے ھو
امر ھووے تو ھدایت کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ھوا یہ کہ میاں سنتے ھو
راست ھوتے ھیں کسو سے بھی کبھی کج طینت
تیر بنتی ھے کہیں شاخ کماں سنتے ھو

مرزا کے حال میں بھی اگرچہ اپنی شاگردی کا اشارہ نہیں کرتے' مگر ذکر اس طرح سے کیا ھے جو ایک سعادت مند شاگرد کے شایاں ھے - اور اپنی غزل کے ایک مقطع میں تو صاف صاف اس کااقرار کیا ھے :-

(قائم)یہ فیض حضرت (سودا) ھے ورنہ میں
طرحی غزل سے (میر) کے آتا تھا بر کہیں

* اصل نسخہ میں اسی طرح لکھا ھے یہاں کوئی لفظ رہ گیا ھے -

لیکن کچھ عرصے بعد جب امور سلطنت میں اختلال پیدا ہوا اور امن و امان اور فارغ البالی جاتی رہی تو وہ باکمال بھی جن کی بدولت دلی دلی تھی، ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگے اور وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی جان تھیں، خواب و خیال ہوگئیں۔ قائم بھی دل برداشتہ ہوکر وطن چلے آئے اور کچھ دنوں ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں کی سرکار میں بسر کی۔ مصحفی بھی اُن دنوں اسی سرکار کے متوسل تھے۔ دونوں کی ملاقات یہیں ہوئی۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ اُس وقت وہ لباس درویشی میں تھے۔ نواب بڑی فیاضی سے اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے اور شعر و سخن سے خاص ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ قائم نے اپنی غزل کے ایک مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:-

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے 'امیر'
مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اتنے

امیرؔ نواب محمد یار خاں کا تخلص تھا۔ تین ماہ سے زیادہ نہ رہنے پائے تھے کہ یہاں وہی انقلاب رونما ہوا جو ہندوستان میں اس وقت ہرجگہ بپا تھا۔ قائم مجبور ہوکر رام پور چلے گئے اور نواب فیض اللہ خاں والیٔ رام پور کے بیٹے احمد یار خاں نے اُن کی کچھ تنخواہ مقرر کردی اور فوجی خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن اس تنخواہ میں ان کی بسر نہ ہوتی تھی، جب زیادہ پریشان ہوے تو لکھنؤ پہنچے اور راجہ ٹکیت راے سے اپنے وطن کے عامل کے نام شقے اور پروانے حاصل کئے تاکہ اپنی قدیمی ملک اور یومیہ بحال کرائیں۔ اس میں

انھیں کامیابی ھوئی مگر رام پور پہنچتے ھی اجل نے آلیا اور سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کرگئے -

ان کے سنہ وفات میں بہت اختلاف ھے - مصحفی نے وفات کا کوئی سنہ نہیں لکھا ' صرف اتنا لکھا ھے کہ رام پور سے انتقال کی خبر پہنچی - مصحفی کا تذکرہ ۱۲۰۷ — ۱۲۰۸ ھ میں لکھا گیا ھے - علی ابراھیم (اور لطف) فیلن اور کریم الدین نے سنہ ۱۲۱۰ھ بتایا ھے - 'شیفتہ' اور بعض اور تذکرہ نویسوں نے بھی اسی کو نقل کر دیا ھے - گارسان دتاسی نے سنہ ۱۲۰۷ھ لکھا ھے - 'جرأت' نے 'قائم' کے انتقال کی تاریخ اس شعر سے نکالی ھے :—

جرات نے کھی یہ رو کے تاریخ وفات　　یکتائی کے ساتھہ
' قائم ' بنیاد شعر ھندی نرھی　　کیا کہئے اب آہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۰۸ ھ ھی نکلتے ھیں اور یہی صحیح ھے —

' قائم ' کی شاعری کی سب تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ھے اور اکثر نے میر و مرزا کے بعد اسی کو مانا ھے - بعض تو اسے ' سودا ' سے بھی بڑہ کر مانتے ھیں - مصحفی لکھتے ھیں:—

" در پختگی کلام و چستی مصراع غزل و روبۂ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ می رود ' بلکہ در بعضے مقام غلبہ می جوید " —

علی ابراھیم یا لطف کہتے ھیں :—

" سچ تو یہ ھے کہ بعد سودا اور میر کے کسی

ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے ' راقم
آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے
نہایت مرغوب ہے " —

آزاد کی رائے ہے کہ

" ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے
نیچے نہیں رکھہ سکتے مگر کیا کیجیے کہ قبول عام
کچھہ اور شے ہے ' شہرت نہ پائی" —

میر ' حسن ' فرماتے ہیں کہ

"طرزش بطرز طالب آملی میماند۔ مثنوی ہا بسیار
گفتہ و بسے در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ"۔

کریم الدین (فیلن) کی رائے ہے کہ

" عجب طرح کا شاعر خوش گفتار ' بلند مرتبہ'
موزون طبع' عالی مقدار ہے کہ اس کی برابری
اچھے اچھے شاعر نہیں کر سکتے .... بعض بعض
آدمی جو کہ اس کو ' سودا ' سے بہتر کہتے ہیں'
حق یہ ہے کہ سچے ہیں اور بعضے کم مایہ اور
بے استعداد جو اس کو برابر ' سودا ' کے گنتے ہیں
خیال سودا اور دیوانگی کا کرتے ہیں "—

بخلاف اس کے شیفتہ کی رائے میں اِنھیں ' سودا ' کا ہم پلہ سمجھنا سودا ہے ۔ البتہ وہ ان کے قطعات و رباعیات کی بہت تعریف کرتے ہیں —

اس میں شک نہیں کہ ' قائم ' بہت بڑا شاعر ہے ' لیکن اسے میر و مرزا کا ہم رتبہ کہنا سراسر نا انصافی ہے ۔ اس کا

کلام ہر صنف میں موجود ہے - غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، قصیدہ، ترکیب بند، تاریخ سب کچھ کہا ہے - ہجو کہنے اور فحش بکنے میں وہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہے - متعدد مثنویاں لکھی ہیں، جن میں بعض قصے سلیقے سے نظم کئے ہیں، قصیدوں میں بھی زور پایا جاتا ہے —

اکثر تذکرہ نویسوں نے اُن کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے، جو اب تک نایاب تھا اور اب شائع کیا جا تا ہے - 'قائم' کا دعوی ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعرائے ریختہ کے بیان میں نہیں لکھا گیا - یہ دعوی صحیح نہیں معلوم ہو تا کیو نکہ اس سے دو چار سال قبل میرتقی میر اور علی الحسینی الکردیزی نے اپنے تذکرے لکھے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ 'قائم' کو ان تذکروں کی اطلاع نہ تھی، لیکن ڈاکٹر شپرنگر کا یہ کہنا کہ 'قائم' نے جو اقتباسات ریختے کے شاعروں کے دیے ہیں، وہ وہی ہیں جو کردیزی کے تذکرے میں پائے جا تے ہیں، صحیح نہیں ہے - دونوں تذکرے ہمارے سامنے ہیں، اشعار کے انتخابات اور حالات دونوں مختلف ہیں —

خواجہ اکرم نے اس تذکرے کے لئے ایک قطعۂ تاریخی لکھا تھا جس میں مادۂ تاریخ ''مخزن نکات'' تھا، 'قائم' کو یہ مادہ پسند آ یا اور تذکرے کا یہی نام رکھ دیا - اس سے سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ نکلتا ہے - اس میں 'قائم' سمیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے - اگرچہ یہ تذکرہ مختصر ہے، مگر بعض حالات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے - قائم نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے - طبقۂ اول میں متقدمین کا، طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور

طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے - اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے، لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''باید دانست کہ چوں فن ریختہ درآں وقت از محل اعتبار ساقط بود، بناءاً علیہ ہیچ کس بر تو غل آں اقدام نمی نمود، ایں دوسہ چار بیت کذائی کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے نظمش ہزلے بیش نباشد، اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں بہ صحبت و سواسا پیش می آمد، ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت'' —

اگر چہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے اس کی ابتدا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ خود بڑے شاعر گزرے ہیں، تاہم 'قائم' نے دکھنی ریختے کو خاص اہمیت دی ہے - اگرچہ وہ اس شاعری کے زیادہ قائل نہ تھے، چنانچہ ان کا شعر مشہور ہے:—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

قائم نے طبقۂ اول کی ابتدا شیخ سعدی شیرازی سے کی ہے اور لکھا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جب شیخ سعدی گجرات میں تشریف لاے اور جیسا کہ 'بوستاں' میں مذکور ہے سومنات کی مجاوری تو یہاں زبان سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں - اگر چہ یہ صحیح نہیں

معلوم ھوتا ' لیکن سعدی کے نام سے جو ایک مشہور غزل فارسی اردو کی ملی جلی چلی آرھی ھے ' اس کی نسبت عام طور پر یہی خیال تھا کہ شیخ سعدی شیرازی کی تصنیف ھے - میر صاحب نے اپنے تذکرے میں اس خیال کی تردید کی ھے- سعدی کے بعد امیر خسرو کا ذکر کیا ھے اور پھر دوسرے قدیم شعرا کا—

ھر طبقے کے شروع میں اُس طبقے کے شعرا کی خصوصیات کا مختصر ذکر کردیا ھے اور اُن کی رائے اس بارے میں بہت خوب اور صائب ھے - بعض بعض شعرا کے کلام کے متعلق بھی رائے کا اظہار کیا ھے لیکن یہ بہت کم ھے - اس خصوص میں میر صاحب کے تذکرے کو فوقیت حاصل ھے - بیان صاف اور سیدھا ھے' عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ھے - تذکرے کے آخر میں قائم نے اپنا ذکر بھی مختصر طور پر کیا ھے' جس میں وہ لکھتے ھیں کہ "ھر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تاباین حال بتوسل نوکری بادشاھی بدارالخلافت شاھجہاں آباد گذرا ندہ "— اس سے زیادہ اس تذکرے میں ان کے حالات کے متعلق کچھ نہیں ملتا - اس سے اتنا ضرور معلوم ھوتا ھے کہ دھلی سے رخصت ھونے سے قبل ھی یہ تذکرہ تحریر میں آگیا تھا ' کیونکہ اس کے بعد ھی وہ لکھتے ھیں کہ شاھی انتظام میں خلل آجانے کی وجہ سے میں نے سفر کا ارادہ مصمم کرلیا تھا ' لہذا فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان حالات کو قلم بند کرنا شروع کردیا—

قائم کی شاعری کے ساتھ یہ تذکرہ بھی بلا شبہ قابل قدر ھے اور اس سے اردو شعرا کے حالات اور کلام کے متعلق بصیرت

حاصل ہوتی ہے —

قائم نے اپنے تذکرے کے ساتھہ اپنے کلام کا انتخاب بھی دیا ہے ' لیکن یہ انتخاب بہت ہی کم ہے اور وہ بھی الف کے چند شعر ہیں - اس لئے ہم یہاں اس کے کلام سے کچھہ اور اشعار بھی درج کرتے ہیں تا کہ سخن فہم اُس کے کلام کی خوبی کا اندازہ کر سکیں —

لیکن انتخاب سے قبل ایک بات میں اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض نظمیں سودا اور قائم دونوں کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں - مثلاً موسم سرما کے ہجو میں جو مثنوی ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دونوں کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہے ۔ لیکن یہ نظم غالباً سودا کی ہے کیونکہ اسی کے ساتھہ کی دوسری مثنوی موسم گرما کے ہجو میں موجود ہے - لیکن میر حسن کے تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے 'قائم' ہی کی مثنوی خیال کرتے ہیں - ایک اور طویل عشقیہ مثنوی جس کا پہلا شعر یہ ہے :—

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل — تب دل دے بقدر خواہش دل

لطف یہ ہے کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے - اس سے صحیح فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے - مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی سے سودا کے کلیات میں درج ہوگئی ہے - اسی طرح اور کئی مثنویاں

جن میں چھوٹے چھوٹے قصے اور حکایتیں منظوم کی ھیں دونوں کے کلام میں مشترک پائی جاتی ھیں —

انتخاب

قائم کے پہلے تین شعر عام طور پر مشہور ھیں اور بہت مقبول ھوے ھیں :-

درد دل کچھہ کہا نہیں جاتا　　آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

*کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
کچھہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت کو دیکھہ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھہ دور اپنے ھاتھہ سے جب بام رہ گیا

نے تجھہ پہ وہ بہار رھی اور نہ یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا

اٹھہ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دریا ھی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا

کیوں چھوڑتے ھو درد تہ جام سے کشو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا

ایسی ھوا میں پاس نہ ساقی نہ جام ہے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا

اس دشت پر سراب میں بھٹکے بہت پہ حیف
دیکھا تو دو قدم پہ ٹھکانا تھا آب کا

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا　　تیر سا کچھہ دل سے گزر کر گیا

خاک کا سا ڈھیر سر رہ هوں میں　　تا ذلۂ عمر سفر کر گیا

* (ن) ٹوٹا جو کعبہ کون یہ —

چھپ کے ترے کوچے سے گزرا ہوں لیک   نالہ ایک عالم کو خبر کر گیا
تا بفلک نالہ تو پہنچا تھا رات   میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا
پوچھ نہ قائم کٹی کیونکر عمر   جوں ہوا یک چند بسر کر گیا

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب 'قائم'
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا

برنگ طائر نو ہم اسیر اے صیاد
وہ ہیں کہ جن کا گلوں بیچ آشیانا تھا
معاملہ یہ ہے دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پیامبر کے ہمیں آپ ساتھ جانا تھا
یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوائے دوستی لیکن
کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

رہبر فرقۂ اسلام رہا ساری عمر
حیف پر یہ ہے کہ میں آپ مسلماں نہ ہوا
دیکھ مجھکو کہ سلیماں کا دیا زور مجھے
ایک چیونٹی سے یہ میں دست و گریباں نہ ہوا
تھا گل تازہ میں پر حیف کہ بخت بد سے
زینت گوشۂ دستار عزیزاں نہ ہوا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گرفتہ طبع جو مجھسا چھٹا قفس سے تو کیا
رہائی جس کی اسیری کا ننگ ہے صیاد
نہ گل بجا نہ بلبل چمن میں نغمہ سرا
مری خلاصی میں اب کیا درنگ ہے صیاد
قفس کی تنگی سے میں ہی نہ تنگ ہوں 'قائم'
مری بھی تنگیٔ حالت سے تنگ ہے صیاد

کی کس کی نگاہوں نے یہ تاثیر ہوا پر
چلتی ہے جو یہ برق سی شمشیر ہوا پر
جی میں ہے' میاں آج نگہ کی تری تڑپن
کیجے قلم برق سے تحریر ہوا پر
مت قصر کو ہستی کے گرا' دیکھ کہ غافل
مانند حباب اُس کی ہے تعمیر ہوا پر
کب بند ہوں برنگ تعلق میں سبک روح
کھنچتی ہے کوئی رنگ سے تصویر ہوا پر

ہے شغل نہ زندگی بسر کر | گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول اسل نہ وقت پیری | ہوئی صبح فسانہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی | اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

نہیں کھتا میں دل ترک تمنا یہ جتنی ہو سکے اتنی ہوس کر
فریب باغباں پر ہو کے غافل نہ اے بلبل اکٹھے خاروخس کر
بہار عمر ہے 'قائم' کوئی دن اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

ہے بے اثر ایسی ہی جو اپنی کشش دل
جی لے ہی کے چھوڑے گی یہ ایک دن خلش دل
تھا خبو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
لے جائے نہ گھر سے کہیں یا ہر طپش دل
زہر آب و ہلاہل سے جو کچھ کام نہ نکلا
دے کر کے میں کی خون جگر پرورش دل
کس طرح کوئی گذرے ترے رہ سے پیارے
ہر گام پر اس کوچے میں ہے چپقلش دل
ہاتھوں سے دل و دیدہ کے آیا ہوں بہت تنگ
آنکھوں کو روؤں یا میں کروں سرزنش دل

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی میں پر یہ بھی سہی نہ آئیں گے ہم
جو آگے کہا کئے ہیں تجھ سے سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا تک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
آزردہ ہو خیر سے لڑو یہاں اس عہدے سے بر نہ آئیں گے ہم
گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کیا صدقے ترے سر ہی جائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سر رشتہ جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
اس پر بھی اگر ملیں گے تو خیر 'قائم' ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

'قائم' جگہ ہے رونے کی یہ حالت تو ہ
اس صحن گلستاں کے وہ ہیں دل فگار ہم
کھٹکا صبا کے پانوؑ کا سن کر پر رنگ بو
آغوش گل میں ہوتے تھے نت بے قرار ہم
کیا جانتے تھے ہم کہ یہ اک دن بہے گی باو
اس مرتبہ کو ہو ئیں گے بے اقتدار ہم

میرا سا لب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کترو ں ہوں سو رنگ کے میں طرز سخن میں
غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قائد
زنہار نہ کہیو اسے یاران وطن میں

ایک جا گہ یہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
پائے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا
جس نے دیکھا تجھے یک بار سر بام کہیں
عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
عزم کعبے کا تو 'قائم' تو کیا ہے لیکن
رہن مے کیجو نہ وہاں جامۂ احرام کہیں

ایک آب و تاب مہ و آفتاب رکھتے ہیں
یہ روکشی کی تری کب وہ تاب رکھتے ہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم ایک گلے کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

حسن معنی چاہئے تزئین ظاہر ہیچ ہے
کیا کرے اس گل کو لے کے کوئی کہ جس میں بو نہیں
مدتوں اہل حرم پر حکم رانی کی ہے یہاں
کیا ہوا گر بے کدے میں آج ہم کو رو نہیں
خو برو دو دن کسی کے ساتھ کر لیں اختلاط
پر جو یہ چاہو کہ یہ ہوویں کسو کے سو نہیں
وضع دوراں کو خوشامد دوست ہے 'قائم' تو ہو
ہر کس و ناکس سے دب چلنا یہ اپنی خو نہیں

ہم سری اس قد رعنا سے ہے اے سرو غلط
تو بھی ہرچند ہے موزوں پہ یہ انداز کہاں
دل سے رخصت ہو بس اے خواہش گلگشت کہ اب
تاب رفتار کدھر؟ طاقت پرواز کہاں
ہمت عشق نہ ہو حسن خط و خال میں بند
صید ہر مور و مگس ہوتے ہیں شہباز کہاں
'قائم' اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کھلے نالے سے جس کے وہ ہم آواز کہاں

غیر اس کے کہ خوب روئیے اور غم دل کا کوئی علاج نہیں
اب بھی قیمت ہے دل کی گوشۂ چشم اتنی یہ جنس بے رواج نہیں

کرنہ جرات تو اے طبیب کہ یہ　　دل کا درد کا ہے اختلاج نہیں
دو جہاں بھی ملے تو بس ہے ہمیں　　یہاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

مجلس مے سے مشابہ ہے خرابات جہاں
جان کو یہاں جو نہو مست وہ ہشیار نہیں
مے کی توبہ کو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

جو کوئی در پہ ترے بیٹھے ہیں　　دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
جوں نم اشک تو کس سے ہے خفا　　یہاں کوئی پل میں گرے بیٹھے ہیں
درد دل کیونکر کہوں میں اس سے　　ہر طرف لوگ گھرے بیٹھے ہیں

کہاں کا غرۂ شوال کیسا عشرۂ ذی حج کا
ہمیں ساقی آئے مے جس دن ہم اُس دن عید کرتے ہیں
مزاج خس ہے اہل عشق کا جلنے کے عالم میں
جلاتا ہے جو اُن کو اس کی یہ تائید کرتے ہیں
یہ کاسہ سر تلے رکھے جو میخانوں میں سوتے ہیں
جسے چاہیں اُسے اک جام میں جمشید کرتے ہیں
جنہیں کچھ سلسلہ میں عشق کے تحقیق حاصل ہے
وہ کب مجنوں سے ہر گمراہ کی تقلید کرتے ہیں
نہ جانے کہئے کس قالب میں 'قائم' درد دل اُس سے
نہیں بنتی زباں سے دل میں جو تمہید کرتے ہیں

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں

کبھو جو روئے ہیں خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

میں سرجھکا ہوں پہ تیورے ہی دیکھنے کے لیے

حباب وار تُنک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ

جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

جوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں

تک منتظر جلوش باد سحری ہوں

جاتا ہوں، میں جیدھر کو وہ منہ پھیرے ہے مجھ سے

گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں

نے گریۂ شب ہوں میں نہ آہ سحری ہوں

جوں بانگ جرس نیم نفس بے اثری ہوں

دیکھا نہ میں جز سایۂ دیوارے شکستہ

حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

میں پیرہن اپنے میں سماتا نہیں جوں گل

جس وقت سے آمادہ پئے جامہ دری ہوں

سو خضر سے کم حوصلہ وہاں جی سے گئے ہیں

جس دشت خطرناک کا میں رہ گذری ہوں

جوں سرو رکھا سنگ جفا سے مجھے آزاد

محروم تیرا جی سے میں اے بے ثمری ہوں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں　　یہاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تا کجا امتحان صبر کہ شوخ / دل ہے آخر یہ کچھ جماد نہیں
سچ ہیں سارے کمال حضرت شیخ / لیک دل کو کچھ اعتقاد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات / ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
ہوجئے کس سے داد خواہ بتاں / اس ستم کی جہاں میں داد نہیں
یار اگر چاہتا ہے دے 'قائم' / جان کچھ دل سے تو زیادہ نہیں

جوں شیشہ بھرا ہوں مے سے لیکن / مستی سے میں اپنی بے خبر ہوں
جو کہئے سو یہاں سے ہے فروتر / کیا جانے میں کس مقام پر ہوں

کونسا دن کہ مجھے اس سے ملاقات نہیں
لیک جی چاہے ہے جوں ملنے کو وہ بات نہیں

ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میاں
سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

عبث ہیں ناصحا ہم سے زخود رفتوں کی تدبیریں
رکے ہے بحر کب گو موج سے ہوں لاکھ زنجیریں
ہماری آہ سے آگے تو پتھر موم ہوتے تھے
یہ کیا جانے وہ اب کیدھر گئیں نالے کی تاثیریں
گریباں کی تو 'قائم' مدتوں دھجئیں اڑائی ہیں
یہ خاطر جمع اس دن ہوے جب سینے کو ہم چیریں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
'قائم' یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

یوہیں رنجش ہو اور گلا بھی یوہیں
ہو چے ہر بات پر خفا بھی یوہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھاگیا یہ طور
واقعی یہ کہ ہے مزا بھی یوہیں
صید کنجشک سے نہ ہاتھ اُٹھا
آکے پھنس جائے ہے ہما بھی یوہیں
کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یوہیں

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں*

کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
پہ ناز کرنے کو انساں میں کچھ کمال بھی ہو

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھ گل کے رنگ و بو کا
ایک اُنس ہوگیا تھا اس گلستاں سے مجکو

* (ن) گل چھڑیاں

ٹک تو خاموش رکھو منہ میں زباں سکتے ہو
اپنی ہی کہتے ہو میری بھی میاں سنتے ہو
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو
خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتش عشق
بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سنتے ہو

کچھ لکھوں سوز دل اپنے سے اُسے اے قاصد
جائے کاغذ ہو اگر بال و پر پروانہ
شمع تک جاتے تو دیکھا تھا میں اس کو 'قائم'
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ
'قائم' سمجھ کے بولو تو آپ کے حضور
پیارے معاملت ہے سخن آشنا کے ساتھ

یک شب دیکھی جن نے وہ زلف — لاکھوں دیکھے روز سیاہ
اٹھی تو مت ہو جان نسیم — ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندی ہے دل پر برق سی آج — پڑتی نظر ہے کس کی نگاہ
وعدہ کر کے رات کا تم — خوب ہی آئے واہ جی واہ
'قائم' سے کوئی ہوئے خفا — بندہ خادم دولت خواہ

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

روے اس غم کدہ میں آج کس کس کو یہاں
دیکھتے نظروں کے اپنے اک خدائی کیا ہوئی
گو کسی حالت میں ہو میں سمجھوں ہوں تجھے
ہے تو تو وہی پہ تیری کبریائی کیا ہوئی

جوں سوچ میرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانئے کہاں جاے گا آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ بھری گود مری لخت جگر سے
وہ خار بیابانی زدہ اس دشت میں میں ہوں
پالا ہے جسے آبلہ نے خون جگر سے

دمبدم اس بخشش بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ
دل دیا تجکو تو ہم نے کچھ گنہ گاری نہ کی

اگرچہ صبح تلک ہمدگر تھے گرم سخن
پہ کہہ سکا نہ کچھ اس سے میں بات مطلب کی
سوائے دل شکنی سب مباح ہے یہاں شیخ
خبر نہیں تجھے رندوں کے دین و مذہب کی
سوال بوسہ جو 'قائم' کیا میں شب تو کہا
کہ کیجے چھیڑ کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جنوں کی رونق
اب بھی کو چوں میں کہیں شور فغاں سنتے ہو

میں کہا خلق تمھاری جو کسو کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھ ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یوں بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصل حبیب کو
یا رب کہیں ہو صبر دل نا شکیب کو
وے بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تم کو ربط
کیا شکوہ تم سے ، روئیے اپنے نصیب کو

بھول کر بھی وو نہیں یاد سے جاتا اپنی
جان کر یاد سے جن نے کہ بھلایا مجھکو
کچھ تو تھی بات خلل کی کہ شب ان نے محرم
پھر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجھکو

جی میں چھلیں تھیں جو کچھ سو گئیں وہ یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ
میں دوانا ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
یارو کہتے تھے جو تم لالہ و گل ہے سو کہاں
سر پٹکتے تو نہ آیا تھا میں کہسار کے ساتھ

ہاے صیاد یہ انصاف سے تیرے ہے بعید
یہاں تلک کیجئے ستم اپنے گرفتار کے ساتھہ
گرچہ بلبل ہوں میں 'قائم' و لے اس باغ کے بیچ
فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھہ

آج اگر بزم میں ہے کچھہ اثر پروانہ
اڑتے ہیں پاے لگن چند پر پروانہ
آتش عشق میں جلنا نہیں ہے کار آساں
ہر مگس سے نہ طلب کر جگر پروانہ
وضع پر اپنے ہے یہاں شادی و غم ہر یک کا
شام ماتم سے ہے کیا کم سحر پروانہ

ہم نشیں ذکر یار کر کچھہ آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل مژہ تک پہنچ چکا جوں اشک اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
آج 'قائم' کے شعر ہم نے سنے ہاں ایک انداز تو نکلتا ہے

جوں طفل سرشک ارغوانی پامال ہوئی مری جوانی
ہر سانس گراں ہے تن پہ میرے اللہ رے ضعف و ناتوانی
دو چیز ہیں یادگار دوراں تیرا ستم اپنی جانفشانی
ہے رشک سجھے یہاں ملک کو تجسے کہے مری زبانی

وہ دن گئے کہ لہو آتا تھا چشم تر سے
اب لخت دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

غافل قدم کو اپنے رکھیو سنبھال کر یہاں
ہر سنگ رہگذر کا دوکان شیشہ گر ہے

کب نالہ بلائے جان نہیں ہے کب آفت دل فغاں نہیں ہے
کب چشم پہ قطرہ ناگوار نہیں خواب کب دل پہ نفس گراں نہیں ہے
ہے کو نسا دم کہ تازہ نوحہ سر جوش لب و دہاں نہیں ہے
کس دن تہ دل برنگ اخگر صد آتش غم نہاں نہیں
کب رات ہوئی کہ چشم ترسے جو نالۂ دل رواں نہیں ہے
سب کچھ ہے جو چاہئے مگر صبر ایک جنس ہے وہ کہ یہاں نہیں ہے
بس تا بکجا اٹھائیں یہ غم کہتا ہم ہیں تو ہم میں جان نہیں ہے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
سو بات کہوں پر اس کے آگے گویا منہ میں زباں نہیں ہے
'قائم' سا عزیز خوار ہو حیف کوئی ہند میں قدرداں نہیں ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھر نے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے
فلک رلائے تو ہے ہم کو ایک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
ہزار حیف کہ گلچین ہے اس جگہ گستاخ
میں جس چمن میں یہ چاہوں تھا یہاں صبا نہ پھرے

تمھی خبر بھی کہ رات پیارے تم غیر کی گفتگو نہ سمجھے
سمجھو گے ہمارے بعد ہمکو پر حیف کہ روبرو نہ سمجھے

ایک عرض تو تھی پر اُس سے پیارے — کیا کہئے جو بات کو نہ سمجھے
قسمت کہ وہ چارہ گر اپنا — جو زخم سے تا رفو نہ سمجھے
سو حرف ہیں خامشی میں لیکن — اُس بات کو ہرزہ گو نہ سمجھے
شایاں چمن نہیں وہ بلبل — ہر گل کا جو رنگ و بو نہ سمجھے
سمجھا رہے ہم تو تجھکو 'قائم' — پھر کیجئے کیا جو تو نہ سمجھے

قطعات و رباعیات کی اگرچہ شیفتہ نے تعریف کی ہے لیکن وہ ایسے زیادہ تعریف کے قابل نہیں ' اُن میں زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر اور تلازمے سے مضمون پیدا کئے ہیں - نمونے کے طور پر ایک قطعہ اور ایک رباعی درج کی جاتی ہے —

رباعی

قائم جو تو نواب سے دکھہ پایا ہے — کہہ بیٹھے کو جو زباں پر آیا ہے
سرمہ نہیں کھایا کہ رہیگا خاموش — کھایا ہے اگر تو تو' نمک کھایا ہے

قطعہ

اندازہ نگاہ رکھہ سخن میں — یعنی جو کہے ہے نیک کہہ تو
دو گوش ترے ہیں اور زباں ایک — تا دو نہ سنے نہ ایک کہہ تو

عبدالحق
سکریٹری انجمن ترقی اُردو
اورنگ آباد (دکن)

فہرست مضامین

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	نل بن	نل دمن	۲۱	۱۱	انجا	بنجا	۴۶	۱۳	لبراجی	لنزاجی
۳	۱۸	بنرلے	بنرلے	۳۴	۱۳	ہمنش	ہمنفس	۴۱	۹	دیکھنے دیکھنے	دیکھی دیکھی
۸	۲	تبتغ	تتبع	۳۴	۱۷	ہل ہای	ہل ہا ہے	۴۶	۱	برسر روش	برسر دوش
۹	۱۵	زاہد	زہد	۳۵	۱۷ و ۱۸	باد و دیتہا	باد دیتہا باد	۴۹	۱۸	سلاتش	سلامتش
۱۳	۵	کہر بسبر	کھسر بسبر	۳۶	حاشیہ محاذ	ہمکنا بیانی	×	۷۰	حاشیہ ۱۱	نظیر	×
۱۹	۱۱	کھیا	کھیسا	۳۷	۶	زانوں کو	راتوں کو	۷۲	۳	اور دز خلو	اور خلوت

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفرینی کہ بنائے مصرع موزون قامت خوبان گذاشتہ اوست و بیت ناخن بدل ابروئے محبوبان کہ دل از دست می برد نگاشتہ او و تحف تحیات بجناب رسالت مآب کہ ناظم حقیقی دیوان کائنات را بمصداق کلام صدق التیام لولاک بمین ذات مبارکش تدوین نمودہ و رباعی مدارج اربعہ را با چہار یار رسلش کہ چو مصراع رباعی عناصر باعث قیام عالم اند حسن تزئین فرمودہ بضمیر مہر تنویر سخن طرازان ہندوستان و طوطیان شکرشکن این بوستان مخفی و محتجب نماند کہ تا الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتابے تصنیف نگردیدہ و با این زبان ہیچ انسانی از ماجرائے شوق افزائے سخنوران این فن سطرے تالیف نرسانیدہ بنابرین فقیر مؤلف محمد قیام الدین قائم بعد کوشش تمام و سعی تمام دواوین این اعزہ فراہم آوردہ پارہ ابیات از ہر کدام بسبیل یادگار در ذیل این بیاض کہ بمخزن نکات موسوم است بقید قلم در آوردہ برائے امتیاز طرز کلام طبقات علیحدہ کہ تفصیل آن پیشتر است ترکیب دادہ شاید کہ مقبول خاطر خطیر صاحبدلے گردد یا در نظر والا نظرے منظور افتد بہر حال التماس بجماعت سخن شناس آنست کہ این ہیچمدان را بجلدوئے

این خدمت بدعائے خیر یاد فرمایند وازخطائے رفتہ کہ خواص بشری است اغماض نمایند مصرع کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

طبقۂ اول

طبقۂ اول۔ در بیان اشعار شعرائے متقدمین۔

طبقۂ دوم در ذکر کلام سخنوران متوسطین۔

طبقۂ سوم در بیان اشعار و احوال سخن طرازان متاخرین

سعدی

طبقۂ اول اتفاق جمہور برآں است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند بسبب مجاورت سومنات چنانکہ در نسخۂ بوستان مذکور است بزبان این دیار وقوف یافتہ یک دو غزل ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد مع دیگر ابیات بسبیل تفنن ارشاد فرمودند بعد ازاں حضرت امیر برہان بناطراحی و تعمیرہائے بسیار بکار بردند ہرچند سلیقۂ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویان حال است لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں انتخاب تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی مے گردد وانہ احوال این ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخین سلف در کتب تواریخ متداول ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس و ابین من الامس است ؎

اے مردمان شہر شما کیسی بری یہ ریت ہے — ہے ہے نمی پرسد کسے پردیسیا ارِیت ہے
سعدی طرح انگیختہ شہد و شکر آمیختہ — در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

خسرو

زرگر پسر چو ماہ پارہ — کچھ گھڑیے سنوارے پکارا
نقد دل من ربود و بشکست — آخر نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

جامع فضائلِ معنوی و صوری حقیقت آگاہ ملا نوری از قاضی زادہائے قصبۂ اعظم پور است در فنِ بدیع و معما سر آمدِ روزگار خود بود و شعر فارسی بسیار بہ رتبہ می گفت چنانچہ قصائد طویل الذیل از وے یادگار است گویند وقتے کہ ابوالفیض فیضی مثنوی نل دمن تصنیف می کرد چوں بایں مصرع رسید "موئے شدہ ام ز ناتوانے" بجہت تمامی معنی بند افتاد و مضمون مصرع ثانی بخاطرش نمی رسید ملائے مذکور بسابقہ معرفتے کہ داشت برائے ملاقات وے رفتہ بود بحقیقت حال وارسیدہ مصرع بداہتہً گفت مصرع "مو بر تنِ من کند گرانے" فیضی بر لطفِ طبیعتش آفریں کرد و ازاں باز او را بسیار دوست میداشت دو سہ غزل ریختہ بطور قدما از وے مسموع است اما بالفعل سوائے ایں یک بیت مقطع چیزے در خاطر نیست۔

ہر کس کہ خیانت کرے البتہ بھتر سے ۔ بیچارہ نوری نکرے ہے نڈرسے ہے ۔

ملا نوری

محمد افضل مردے است از سکان دیار مشرق اگرچہ ربط کلامش چنداں مضبوط و مربوط نیست لیکن از انجا کہ قبول بے سبب و ردّ بے غضب خاصۂ جنابِ ازلی است تصنیفاتش بمرتبہ موثر دلہا است کہ از حیزِ تحریر و تقریر مستغنی است و مثنوی بکٹ کہانی بر صفحۂ روزگار از وے یادگار است ردیہ اش از قدیم ابیاتش باقیاس باید نمود ایں یک بیت از مثنوی مشہور از دست۔

محمد افضل

پڑے تال تیں میرے ہیم بچھانے   مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسے

باید دانست کہ چوں فن ریختہ در آں وقت از محل اعتبار ساقط بود بنا بر علیہ ہیچکس بہ نقل آں اقدام نمی نمود ایں دو سہ چار بیت کذائے کہ بنام اساتذہ معتبر مرقوم است اغلب کہ نشانِ نظمش از نے پیش نباشد اما بعد ازیں بہ مدت بلاد دکن در عہد عبد اللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں صحبت و مواسا بیش می آمد ریختہ گفتن بزبانِ دکھنی بسیار رواج گرفت بادشاہ مذکور

[illegible]

نیز طبع موزوں داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبد اللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ و السلام شعر می گفت و گاہے بنا بر تفنن طبیعت بحسب اتفاق دو سہ بیت جستہ جستہ در وصف خط و خال غزالان شہرے ہم می نوشت چنانچہ ایں مطلع از وست ۔

کس در کہوں کا جا دل میں مجھ دل کیچھ بچھرا ہے یک بات کیے ہوں گے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

و اکثر مستعدان ایں فن کہ در آں وقتے بو وند مردم ایں دیار بر اشعار و احوال یکے از ینہا اطلاعے نیافتہ اند مگر معدودے چند کہ در زمانہ سلطان ابو الحسن لوائے شہرت برافراختند و پارہ از ابیات ایں اعزہ بر اوراق بیاض ہائے سخن سنجان ہندوستان قلمے نمودند بنا بریں یک گونہ از اسم و رسم اینہا تعاسفے باقیست انشاء اللہ تعالیٰ من بعد چیزے ازاں مرقوم خواہد شد داز مراتب حوصلہ فہم معنی آگاہاں پوشیدہ نیست کہ دماغ بید ماغاں بکاؤ کاؤ و مشقت بسیار نمی تابد ہر انچہ معقول و سہل الحصول دید بقید قلم در کشید و در دسرے کہ ما فوق طاقت خود یافت و تحقیق و تفحص آں بنفیا و و صفت وقتے راکہ بدلش متصور نیست باندیشہ طول و طویل بر باد بداد میرزا ابو القاسم میرزا تخلص از مخصوصان سلطان ابو الحسن عرف تانا شاہ عبد اللہ گنج کہ در جوار حیدر آباد واقع است انزوا گزید و لبقیہ عمر بلباس فقر ہم انجا بسر برد ایں یک بیت بنام او شہرت دارد ۔ (میرزا ابوالقاسم)

مرزا وہ نو نہال کدھر سٹ گئے چمن دستا تھا جس کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

افضل الدین خان فضلی تخلص بجمیع فضائل انسانی مشہور است تخصیص در شیوہ سخن سرائے ممتاز روزگار خود بود میرزا ابو طالب می گفت کہ ایں عزیز بفرمایش شخصے در تعریف حسن شاہزادہ مثنوی پانصد شعر با ایں ہمہ نازکے و پرکاہے موزوں کردہ است کہ اورا (فضلی)

مردم آں دیار نرگس آسا بر بیاض دیدہ قلمے می سازند و از شہرے بشہرے می برند در حقیقت دو سہ چار بیتش کہ ازاں جملہ محلے سوانح اہل ہند است خالے از حسن لطافتے نیست چنانچہ ایں ابیات از ہماں مثنوی است

عرق مکھ پہ جوں آرسی میں حباب　　تبسم لباں پر چو موج شراب
زنخ جوں مربا دسے سیو کا　　پہ کب پڑ سکے ہاتھ واں دیو کا

غوثی محمد غوث غوثی تخلص خلف الصدق مولانا قطب الدین قاضی حیدرآباد است در جمیع علوم و فنون مشار الیہ بود و ہمیشہ بدرس و تدریس اشتغال داشت گاہ گاہ بمقتضائے موزونے طبیعت دو سہ مصرع ریختہ فارسی نیز موزوں می گردد در آخر عمر درد طلب دامنگیر حال او شد از خویش و قوم بر آمدہ بزیارت حرمین شریفین زاد ہما اللہ تشریفا مستعد گردیدہ ہم انجا ودیعت حیات سپرد ایں دو بیت ریختہ از واردات خاطر اوست

تیغ بھواں سوں کن کہا گھائل نکو کرے　　پلکاں کے یا خنجر ستی بسمل نکو کرے
کاٹو جلاؤ راکھ کرو راضی ہیں ہمن　　سب کچھ کرو پہ ایک کٹھن دل نکو کرے

روحی روحی تخلص مردے از پیرزادہائے حیدرآباد است روزگارے مہیا و عافیتے گوارا داشت و بخلاف احوال پراگندہ طبعاں ہرزہ روزگار و پریشاں خاطران تفرقہ شعار می زیست در اوائل جوانی بشعر و شاعری مشغول بود آخر ازاں اندیشہ باز گردیدہ است مدت عمر بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت گذرانیدہ ایں دو بیت ریختہ از وے یادگار

درپن ستے نگاہ کو مائل نکو کرے　　یہ دکھ اپس کے واسطے حاصل نکو کرے
خنجراں لے کر عہدہ بر آ نہیں ہو کے بند　　پلکاں کو میرے دل کے مقابل نکو کرے

نوری

سید شجاع الدین نوری تخلص هرچند از سادات بلدهٔ گجرات است اما تمام عمر بعلاقهٔ روزگار در حیدرآباد بسر برده آخر حال بعهدهٔ تعلیم پسر وزیر سلطان ابوالحسن پایهٔ امتیاز یافت چندے بمنصب معهوده قیام می نموده که ناتوان بینان روزگار بسبیل حسد بعشق وزیرزاده متهم ساخته از خدمت ماموره باز داشتند چون بوقوع این حال سید بیچاره انفعال کشید بے اطلاع همه کس از حیدرآباد برآمده در قصبهٔ بلشٹه رخت اقامت انداخت و نهال جایگاه بجوار ایزدی پیوست

نوری اپس کے دل کے کو سے نکہ تہا　　حال بھلا اب اس سے دیوانے جو تھا سو تھا

شاه قلیخان شاهی تخلص از متوطن بهاگ نگر بود بدرستی طبع و رسائی فکر داد سخن سرائے میداد مدتے بتوسل نوکری پادشاهی در بلدهٔ حیدرآباد می گذرانیده آخر حال بمنصب نزدیکی تاناشاه معزز و مباهی گشته اکثر حسب الایمای بادشاه مذکور شعر مرثیه فکر میکرد چنانچه سابق برایں پنجاه سال ابیات و مرثیه اش در بلاد هندوستان دست بدست گردیده اند و بالفعل خبر اندراس بگوشهٔ خمول گوانه فرسوده و آخر بیده سوائے این مطلع اشعار غزل از وے مسموع نیست

لنا تمہن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے　　کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر عبدالقادر قادر تخلص از باشندگان حیدرآباد است چشم عبرت بین و دل حسرت گزین داشت چون سن شریفش از پنجاه متجاوز گردید بردست یکے از مشائخ اندیار که نسبتے بشیخ شهاب الدین سهروردی می پیوست خرقه پوشیده و تا آخر عمر مسعود صحبت شریفش باتفاق شاغه گذرانید این رباعی از مصنفات اوست ـ

رباعی

ہر چند ہمن سب سوں اٹھایا ہے ہات — اس پر پھر بھی نہ آ ترا دکھائے ہیہات
عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن میں ہے تا ورا چھوں در قید حیات

لطفی — لطف علی لطفی تخلص شاعر دکھنی است و دیگر احوال او معلوم بندہ نیست کہ کیست و کجائیست این ایک شعر بنام او مسموع است۔

میں عشق کے گلی میں گھائل پڑا تھا کس پہ — جو بن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

رافت — مہر علی رافت در کمال شوخ و ظرافت پسر خطیب بادشاہی است از غایت سبکسرے و زیادہ گوئی معاصران خود را بطعن و استہزا می رنجانید و ہیچکس را در برابر خود مقدارے نمی نہاد روزے در مجلس پدر بزرگوارش کہ بسخن فہمی و نکتہ دانی نظیر نداشت بتقریبے ذکر شعر مشکلے بمیان آمد چون در استکشاف معنے آن اندکے تامل کرد بسوے او چشمکے زد و گفت جانے تھا یا خطیب کا و ازیں جنس بسا سخنان ناصواب از وے مسموع است بالجملہ از وطیرہ اشعارش معلوم می شود سخنش بجائے نرسیدہ بود او تعالی رحمتش کناد

موتی دریا میں اپس کے تین کان لگ کر ہو دے — کہ تمہن کے دہ تباکو تن سے ہمسر ہووے
پوچھا دا ماں سے رقیبانکے انکھیا نکا لوہو — یوں بھی ہمناسے بد لے کہ آیا است رو دے

آزاد — قطب اللہ متخلص بآزاد از متوطنان بلدہ حیدرآباد است ہنوز از صغیر سن بہ نیا مدہ بود کہ پدرش برحمت خدا رفت اکابران محلہ نظر بر یتیمش نمودہ عزیزی و اشتند چون جوان شد سوداے زلف عنبرینے در سرش پیچیدہ دکارش آوارگی انجامید مکان معین نداشت خانہ بدوش می گردید چنانچہ ایں عزیز دشتے

فراقی تخلص کہ بندہ از احوالش کماینبغی اطلاع ندارم در آں ایام کہ محمد یار خاں

صوبه دار دهلی بود هر دو باتفاق برائے دیدن وے بدار الخلافت آمدند چون نسق کلامش بنا بر کثرت صحبت خاطر نشین اینها گردید تتبع او کردند چنانچه از دو بیه اشعار این هر دو بزرگوار پیداست ـ از آزاد ـ

کوئی کسی ہی فن میں ہم ساتھ بر نہ آیا | پر جیسا یار لگتا ایسا ہنر نہ آیا

از فرقتی

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس کہ وہ ظالم | کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے

احمد گجراتی

احمد گجراتی شعر ہندی می گفت کہ عبارتے از گیت دو ہرہ باشد در علم سنسکرت و دبھاکا ید طولی داشت و در فن خود سرآمد روزگار بود و الحق کہ دو سہ دوہرہ از تصنیفش شنیده شده مذاق کلامش بسیار دل نشین است چون معاصر شاه ولی الله دکنی بود گاه گاهے فکر شعر در ریخته نیز می نمود چنانچه این دو بیت از نتائج اوست

شب جھوٹے وعدوں پہ جو تیرے ہم بہک گئے | کئی لاکھ بار گھر سے اٹھے اور اٹک گئے
پوچھے تھے کل میاں سے آپس دل لگے ہیں خبر | سو آج لاکھ گھر سے میرے پھاٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں | ایسا سمجھ پڑے ہیں دونوں پاؤں تھک گئے

فخری تخلص شخصے بود از شاگردان ولی بسیار بصفائی گفت چنانچه از سیاق و سباق کلامش پیداست دیگر احوالش معلوم بنده نیست

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوندھ لگ رہے | دیکھے پیارے کے نظر بھر کر آفتاب

محمود نیز از دکن است گویند معاصر فخری است بلکه با او چیزے قرابت هم داشت بالفعل از خاطر رفته است ـ

لوگاں کہیں ہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں ہے لیکن — جو کوئی بتاں سے بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے

سراج تخلص شخصے از متوطنان اورنگ آباد است آنچہ از سلیقۂ شعرش معلوم میشود بسیار بدرستی حرف میزند۔ سراج

پی بن تجھ آنسو نکلے شراروں کی کیا کمی — جس رات چاند ہو تو ستاروں کی کیا کمی

رفو گر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے — اگر وہ کھیے مرا سینا رفو چکر میں آجاوے

ہے حقیقت میں حسن و عشق جدا — طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

محقق تخلص شخصے است بندہ از احوالش خبر ندارم این ایک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکنی نوشتہ دیدہ ظن غالب است کہ داخل ہماں نیر کہ باشد واللہ عالم بالصواب محقق

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو — اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

ہاشم تخلص شاعر دکنی است آنچہ از طرز کلامش مفہوم میشود سرے بسخن داشتہ۔ ہاشم

دکھن ہور ہند کے دلبر ہیں سو سب بھیجا نے اچھے — کہ مکھڑے چاند سے پر خط کے پیچ تاب اچھے

ہاتف تخلص شخصے در دکھن بودہ است این یک شعر بنام او در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایان راقم مؤلف بودہ اند نوشتہ شعر مذکور این است۔ ہاتف

انکھیاں تیر سے اور زلف سے کافر ہو تمہارا — اسلام اور لنگی کہاں زاہد اور مسلمانی کدھر

میرزا ابوطالب المتخلص بطالب سرتا سر مے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبۂ ... کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بادشاہ سابقہ آشنائے با عموے بزرگوار حضرت میرزا رفیع صاحب ہم رساند ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برائے کار جاگیر خود بدار الخلافت شاہجہاں آباد رسیدہ تا مدتے کہ اقامت نمود ہمخانہ ایشان بودہ طالب

بعضے ازیں احوال و اشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب رسیدہ بود و از ایشان علی سبیل ذکر و مذکور بفقیر معلوم گردیدہ این یک شعر از طالب است

ہماکے خون چشم سے آلودہ کیا کرے ۔۔۔ وہ پاک جسے گرانی ہے رنگ حنا سے

شاہ ولی اللہ ولی تخلص شاعرے است مشہور مولدش گجرات است گویند بہ نسبت فرزند شاہ وجیہ الدین گجراتی کہ از اولیائے مشاہیر است افتخارہا داشت در سن چل و چار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابو المعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ او بود بجہاں آباد آمد گاہ گاہ بزبان فارسی دو سہ بیت در وصف خط و خالش می گفت چوں در آنجا بسعادت ملازمت حضرت شاہ گلشن قدس سرہ مستعد بگفتن شعر بزبان ریختہ امر فرمود و این مطلع نغز موزوں کردہ حوالہ او نمودند۔ ولی

خوبی اعجاز حسن یار گر انشا کروں ۔۔۔ بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

بالجملہ ہمیں تحول زبان ایشان سخن این با چناں حسن قبول یافت کہ ہر بیت دیوانش روشن تر از مطلع آفتاب گردیدہ و ریختہ را قیلے بفصاحت و بلاغت می گفت کہ اکثر استادان آنوقت زراہ ہوش شعر ریختہ موزون می نمودند چنانچہ قدوۃ السالکین و زبدۃ الفاضلین مرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنہ نیز درین زبان غزلے گفتہ مطلع و مقطعش اینست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں ۔۔۔ اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا ۔۔۔ پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

و چند بیت کہ فقیر موافق فہم ناقص خود از دیوان ولی مذکور منتخب ساختہ این است۔

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا ۔۔۔ مفت ہے دیکھنا سجن کا

ٹک ولی کی طرف نگاہ کرو
صبح سے منتظر ہے درشن کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
بہ رنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا

دیکھ احوال مرا ناصح مشفق نے ولی
ہاتھ سوں ہاتھ ملا درد سوں سینہ کوٹا

صنم کے لعل پر وقت تکلم
رگ یاقوت ہے موج تبسم

زندگی جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

ڈالے اکھاڑ کوہ کو جوں کاہ اپنے
عاشق کی آہ سرد کہ جیسی صرصر نہیں

خوبرو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

کیا اگر بات میری گوش کرے تو
ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو
درد مندوں کو کڑھایا نہ کرو

دل کو ہوتی ہے سجن بیتابی
زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو

اس کے قدم کی خاک ہے صد حشر سے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سے
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھتا ہوں جسے وہ مبتلا ہے
خوباں کے نگہ کیا بلا ہے

گر تجھ کو ہے عزم سیر گلشن
دروازہ آرسی کھلا ہے

بیاں اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
میرے گھر اس طرح آتا ہے جیوں شیشہ میں پری آوے

جاگیر سا تجھ کے بیدل وحشی کو کام ہے
تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

جس وقت تبسم میں وہ غنچہ دہن آوے
گلزار میں کلیوں کے دہن پہ سخن آوے

عالم میں تیرے ہوش کی تعریف کیا ہوں
ایسا تو کر کام کہ تجھ پر سخن آوے

ایسے رہنے کو دنیا میں مکان عاشق — کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے — زخمی ہے شکار کیوں کے جاوے

جب تک نہ ملے شراب دیدار — آنکھوں سے خمار کیونکے جاوے

انجھوا نکے اگر مدد نہ ہووے — مجھ دل سے غبار کیونکے جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے — نگاہ پاک بازاں کیمیا ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے مجھکو — کرتی ہے نگہ تجھ قد نازک پہ گرانی

ہم کو شفیع محشر وہ دین پناہ بس ہے — شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

موسوی خان فطرت و مخلص می کرد و جائے موسوئے می آورد تازہ آمد ولایت است واحوالش داخل تذکرہ ہائے فارسی است درزمان سلطنت عالمگیر بادشاہ بمنصب سہ ہزاری وخدمت خالصہ شریفہ ممتاز بود روزے حضرت بادشاہ در استفسار جہے مترددبود صورت واقع برسبیل مشورت برد دنوع باخان مذکور تقریر فرمودند بعد تامل بعرض اقدس رسانید کہ باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است با استماع این کلمہ برائے حضرت بنا معقول بودن سخن اول انتقال نمودہ روئے توجہ ازین بے گناہ گردانیدہ بطرف دیگر مشغول شدند چون این عزیز بمغز کلام وارسید خجالت بسیار کشید بعد بو خاست دیوان کہ بخانہ خود آمد بیمارے بہم رسانید اطبا بموجب امر حضور بمعالجت وے حاضر شدند پس از تشخیص معلوم شد کہ زہرۂ اش آب شدہ است بالجملہ او از روز را شام نہ کرد کہ بمقر اصلی رو آورد گویند این شعر ریختہ از وست شاید بہتر ازین گفتہ باشد۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے — در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

موسوی خان فطرت

خواجه عطا. عطا تخلص از روسای نامدار و سرکرده‌های اوباشان روزگار بود در عهد عطا
عالمگیر بادشاه به بانگ وضعی اشتهار داشت از غایت شهرت محتاج تعریف نیست
این دو شعر ریخته از دست.

اے در نبرد حسن تو کیسے پچھاڑ چشم — زیر مژه نهفته چو آہو کچھار چشم
امشب بکوئے دوست عطا پھر بہار ہے — تو بھی کہیں بسر کہیں در پر کہسار چشم

میر جعفر. جعفر تخلص سید صحیح النسب بود چون اساس سخنوری بر زٹل قافیه گذاشته بر بنا علیه زٹلیش می گفتند و از بسکه کلامش در عوام شهرت تام یافت اغنیای آن زمان بپاس آبروے خویش باوے بسلوک شایسته پیش می آمدند گویند روزی بخدمت مرزا عبد القادر وارد شد پریشان بعد استماع نظم و نثرش چند اشرفی بطریق انعام مرحمت فرمودند بوقت رخصت این مصرع برخواند و در رفت مصرع
ظهوری و عرفی هیچ پیش تو پہش - خوشکه از تحائف روزگار بود اکثرے از هزلیاتش مشهور خواص و عوام است و کلام مضحکش اشتهار تمام دارد از غایت ابتذال احتیاج نوشتن نیست.

طبقهٔ دوم

طبقهٔ دوم

در ذکر کلام سخنوران متوسطین بر شناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست که از عهد عبد الله قطب شاه گرفته تا زمانه بادشاه کسانے که شعر ریخته اند نسق کلام اینها بسیار مربوط و معقول است هر چند که اگر الفاظ غیر مانوس گوش با مردم مستعمل ایشان است لیکن چوں موافق زبان دکن است درست است پیش هر کس راه بده دارد و نه

این ستم کہ شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ باعتقاد خود تلاش الفاظ تازہ و ایہام نمودہ شعر را از مرتبہ بلاغت انداختند تا معنی چہ رسد غرض ناگفتہ بہ مصرع

خطائے بزرگاں گرفتن خطا است. بہرحال فقیر در دادیں این اعزہ فراہم آوردہ اشعار جستہ جستہ بسعی تمام موافق فہم ناقص خود بوضع انتخاب قلمی نمودہ حق تعالیٰ توفیق

آبرو — کرامت فرماید شاہ مبارک متخلص بہ آبرو مردے بود درویش منش قلندر مشرب متوطن گوالیار از فرزندان محمد غوث بعالم حسن پرستی اشتہار تمام داشت چنانچہ مثنوی صد و پنجاہ بیت در باب تعلیم آرایش خوبان روزگار بسیار سلامت موزون کردہ است بالجملہ شعر ریختہ بوضع خود بسیار مربوط می گفت و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خاں

آرزو — آرزو میکرد کہ بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالیٰ سلامتش دارد و زیادہ بریں از کمالات آں بزرگوار مثل من ہیچمداں چہ نویسد کہ شمار قطرہ آب باراں نمودن و سیاحت افلاک پیمودن است ہرچند دماغ ہیچ شخص بہ ریختہ وفا نمی کند لیکن وسعت اخلاقش تا بحدیست کہ شعر میاں آبرو را بنظر اصلاح ملاحظہ می نمودہ بلکہ گاہ گاہ بپاس خاطر او خود ہم دو سہ بیت ازیں قبیل می فرمودہ

از آرزوست

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم سنے — یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

میرے شوخ خراباتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو — بہار حسن کو دے آب جب اس نے چوس کھینچا

میخانہ بیچ جا کر شیشہ تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے پیارہ گل کھول آگے جس لبھول کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے تنہائی کے

دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے — موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

هرگز نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا
گویا کہ تھا چھلاوا دہن ہمارا

تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچے نے گانٹھ باندھا سنکر سخن ہمارا

دراں چند شعر از شاہ مبارک آبرو است

آیا ہے صبح نیند سے اوٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلی میں رات کا پھولوں بسا ہوا

بوسا لبوں سے دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاونگا اس گلی
ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

رہے ہے ہر تیس دن مرکانے سنگ
کلیجا آہنی ہے آرسی کا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ روٹھ روٹھ چلنا چلبل کے پھر مٹکنا

دل تو دیکھو آدمی بے باک کا
عشق سے بھرتا ہے پتلا خاک کا

جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

رہتی ہے ولیں مصرع دلچسپ کی طرح
گھر بار ہوئے سرو قداں کا برابیت

زندگی ہے سراب کی سی طرح
باؤ بند ہے حباب کی سی طرح

تجھ اوپر خون بے گناہوں کا
چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

عالم آب میں آساں نہیں اے شیخ گذار
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آ سکتی نہیں تصویر میں
مدتوں ستی مصور کھینچتا ہے انتظار

آج پھر ہم سے کر دیا ہے اواس
ان رقیبوں کا جائے ستیاناس

سیج تیرے کے شوق میں چھوڑا
رات کو پھول نے چمن کا باس

غیر صحبت میں اب لگا جانے
چھوڑ کر اپنی آبرو کا پاس

یارو ڈرو کمر سے مروڑو نہ پھیر کے انگ
آجاوے کہیں لچک تو ابھی لاگ جاے لنگ

نکلے ہم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول
گلبن کے دیکھ ہم کو گئے ہاتھ پاؤں پھول

لاچی کیوں آپ کو مشہور کرواتے ہو تم — مانگتے کیا ہو سجن کچھ ہم پہ دھرتے ہو تم
فجر اٹھ خواب سے گلشن میں جب تم نے ملی انکھیاں — گئیں موند شرم سے نرگس کی پیاری جی ان کی انکھیاں
دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں — اس طرح حال دل کا کہتا ہوں
جب چمن میں جاکے پیاری تم نے زلفیں کھولیاں — لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں
گلی اکیلی ہے اور یہ اندھیری راتیں ہیں — اگر ملو تو سجن سو طرح کی باتیں ہیں
اے شوخ بے تمیز تجھے کچھ ادب نہیں — معشوق گر ہوا تو خدا کا غضب نہیں
کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن — جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں
سر تا قدم پیار سے دست دعا ہوا — تیرے سے بھولے دیکھ خنجر آب آئینہ
کیوں ملامت اس قدر کرتے ہوئے حاصل ہے — لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے
لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تک مجھکو — طرح وہ پاؤں دھرنے کی مرے آنکھوں میں پھرتی ہے
رشتہ اس جور کی کھاتے ہیں قسم زوروں کی — نالہ شے جو کوئی عشق کے جھگڑوں کی
لب شیریں پہ سجن کے نہیں خط سیاہ — ڈار رکھی ہے مٹھائی پہ شکر خوروں کی
آبرو کو ہیں کم ظرف کی صحبت کا دماغ — کس کو برداشت ہے ہر وقت کے لکتوڑوں کی
کیا بری طرح جنوں سلگتی ہے — کہ مرے دل میں آگ سلگتی ہے تو
زلف کی شان تکو اوپر دیکھو — کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے
تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

شخصے در تعریف این شعر لطیفہ گفتہ کہ کاتا چہ خوب شعر اندکا گفتہ است

ہیں بانک کے نشے میں ہزاروں طرح کے رنگ — سب بوٹیوں کے بیچ مرصع ہے یہ جڑی
دشمن جاں ہے تشنہ خوں ہے — شوخ ہے بانکا ہے کب بھوں ہے

دل کے چھپنے کو یہ لپکٹ چاہنا / سحر ہے ٹوٹکا ہے افسوں ہے
شیخ خرقے میں جب مراقب ہو / گربہ مسکین ہے موئی جوں ہے
یوں آبرو بناویں دل میں ہزار باتیں / جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جاوے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے / خاک اگر ہو گیا بگولا ہے تو
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے / وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے
نے نام ہے بتایا نہ گھر کا دیا پتا / پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے
اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی / آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی
جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا ہیچ ہے / یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے
کام کرتی ہے تری دستار کا کل کا تمام / سر تمہارے پر سجن ہر پیچ ڈھیلا پیچ ہے
زندگانی تو ہر طرح کاٹے / مر کے پھر جیونا قیامت ہے
معشوق ہے وہی کہ وہ اپنے کہے کرے / اور ہم کریں جو منع نہ مانے وہی کرے
تبسم سے مجھے اُس کو نظر سے / کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے

یکرنگ

مصطفی خان یکرنگ تخلص معاصر میاں آبرو است بخدمت خان آرزو مشق سخن می کرد ابیات دیوانش ہمگی وتمامی قریب پانصد شعر خواہد بود سوائے اینکہ ہمشیرۂ خانجہاں لودھی است ودر سلک ملازمان بادشاہ منسلک بود ودیگر احوالش معلوم بندہ نیست ابیاتے کہ از دیوانش فراہم آوردہ ام این است۔

چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ / کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہیں
برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا / شاید کبھو یہ جا کے لگے دلربا کے ہاتھ
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے / میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے
بتکدہ میں گر بسر امر فعل نا معقول ہے مدرسا دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

سعادت

میر سعادت علی سعادت تخلص متوطن قصبہ امروہہ از فرزندان حضرت شاہ ولایت در کمال خوبی آدمیت است ریختہ را تلاش بسیار می گفت و در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت ہنوز بسن پنجاہ نرسیدہ بود کہ بہ آزار تپ محرقہ از جہان رفت خدا اش بیامرزد این چند بیت از وست۔

ہوش کھوتے ہیں میرا یہ دو انکھیاں مے پرست بس کہ ہوں کم ظرف ہو جاتا ہوں دو پیالوں میں مست
لکھا چاہے ہے تیرے قد کی تعریف اپس کو کیا تراشا ہے قلم نے
شیخ تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا وہاں دام لے وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے
یہ دانا ہیں دوانے جو مجھے زنجیر کرتے ہیں میرا کوئی دم میں جی نکلے ہے یہ تدبیر کرتے ہیں
مت دکھا اس طرح کی آن مجھے کوئی دم جینے دے جان مجھے
مثل آئینہ سادہ رویوں سے موہنہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

شاہ ولی اللہ اشتیاق تخلص باوجود مذاق سلیم چاشنی فقر داشت در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت انزوا گزیدہ اوقات عزیز بیاد الہی بسر می برد ہرگاہ کہ از تدوین و ترتیب نسخہ عجبی فراغتش روے می نمود چیزے از قبیل فارسی بر سبیل تفنن فکر می کرد بندہ روزے بخدمتش حاضر شدم حرفہائے بامزہ می گفت مدت ہفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود۔

لڑکوں کے پتھر دل سے لگے کیونکہ اسکو چوٹ ہر ایک سنگ گرد بانے ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
چھوڑ کر تجھکو ہمیں ہاتھ سے جب لاگ لگے نہیں مہندی یہ تیرے تلووں سے ہے آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں   کچھ اُن کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

حاجی

محمد شاکر ناجی تخلص سپاہی پیشہ بود در سطاوے کہ مصرع شعر پر از معنی آبدار و دبیت می نہاد و بدرستی طبع و رسائی فکر داد سخنوری می داد و زاد گاہ او دار الخلافت شاہجہان آباد است با برادر فقیر کہ منعم تخلص می کرد و شعر فارسی بسیار بتلاش ہائے نیکو می گفت رابطہ اتحاد مربوط داشت گاہ گاہ بتقریب خانہ تشریف می آورد بندہ خود در خورد سالے اورا دو سہ بار دیدہ ام مزاجش خیلے مائل مزاح بود او تعالی رحمتش کناد

ہوا باز ار گل کا دیکھ تجھ رخسار کو مندا   جو دیکھے تجھ قد آزاد کو طوبی تو ہو بندا

نپوچھو خود بخود ہے عارض خورشید کی خوبی   لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہ رویاں سے کر چندا

بلند آواز سے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل   گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

تجھ دلکو اپنی زلف میں دے جا سمجھ کے یار   نکلے گا پھر نہ دیر میں ٹوں دھا ہوا

یہ داؤ کھا بدے کا لگتا ہے لالچی سا   حجامیوں سے مل مل اٹکل رہا ہے کھیا

مجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا   لے گیا جب دل کہیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوبے گئے ناگہ جب کھلے لب یا پر لف   جھمپنا ناجی نہ پوچھا کس لہر میں بہ گیا

دہن جب لالی ہوا پانوں سے پی کا   ندا جاتا ہے تب تجھے کے جی کا

ترے رخسار کے پرتو سے لے شیخ   پری خانہ ہوا گھر آرسی کا

اس مغل زادے کے بابا سے رکھ اسکو عزیز   مول ہے سارے بدخشاں کا یہ بیٹا لعل سا

بہا سستا ہوا مہنگا نہیں موقوف غلے پر   یہ سب خرمن اسی کے ہیں خدا ہے جس کے پلے پر

شربت اکل گر نہ ہرا آتشیں لب سکے چوس   شرم گرد اڑھی کی کیوں شعلہ کنے لیجا پھوس

رنگ میں ہیگا قرار ہی اور نپٹ ملنے میں گرم   اس طرح کا سانورا کیا ہے جوں اصل طوطی

دیکھ سوہن تری کمر کی طرف — پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

چاند تیرے روبرو خوبی کا کیوں آکے ہے لاف — وہ تو داغی ہے تیرا جوں مہر رخسار آہے صاف

امردی ساری تم اپنی کر چکے کتب میں صرف — اب تو خط نکلا ملو گے کیوں نہ اسمیں کیا ہے حرف

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے — شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

لیجاوے شہر شہر پھرا و بھی دشت دشت — کرتا ہے آدمی کو نہایت خراب دل

پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے — کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں — یہ دن بہار کے اے جان یونہی جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ ندینے کہا نہ کہہ کے دیا — جنہوں سے وعدہ کیا تھا انہیں جاتے ہیں

مت کر اتنا جور اس پہ جان آخر دل ہے یہ — ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ

چراغ و شمع کی پروا نرکھ یہ تجھکو بالا ہے — نظر کرو لگی آنکھوں سے اندھیرا بھی اجالا ہے

سمجھتے تھے سبھی بنت العنب کو باکرہ یارو — سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے پھوٹی ہے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے

میرے دلکو تو زخمی کر چکے تم — اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہے

تبسم نت رقیبوں سے خلل ہے — ترے بھاویں ہنسی میری اجل ہے

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے — قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

جان ہے جوڑا ہے دلبر ہے — پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جانبخش آگے تیرے سجن — جو مسیحا کا نام لے خر ہے

نہ سن خدا کی بات اے دل تو اپنی دہن میں پکا ہے — خدا حافظ تیرا دوزخ بھی ایک شرعی ڈر کا ہے

شعر خوب بے است اما آن سر کفر آلودہ است ہر چند شطحیات شعرا پیش ازاں است

که گفته شود لیکن با وجود شرف اسلام اینها بسیار بعید می نهاد او سبحانه تعالی برحمت خود کار کند و بگفتار و کردار ما نرود از ناجی است

دو بالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے ۔۔۔ پیالہ اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے
تجکو کیونکر جدا کروں اے جاں ۔۔۔ زندگانی بہت پیاری ہے
نرگس کے تئیں ہیں ہرگز لاتا نہیں نظر میں ۔۔۔ دیکھی ہیں میں نے آخر پیارے تمہاری انکھیں
سخن سن اس بت کافر ادا کا ۔۔۔ جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

مضمون **شرف الدین مضمون تخلص از فرزندان حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہ**

بجمیع صفات موصوف و ہمہ حسنات معروف بود مولدش جائے است در نواح گوالیار که اورا جاجیومی گویند چوں سن شریفش از چہل متجاوز گردید دست از قید علائق بر داشت و قدم در راه آزادگی گذاشت لب دریا مسجد لیست مسمی بزینت المساجد اورا مسکن خود قرار داده بتوکل میگذارند بسکہ ملین و خوش صحبت بود اکثر از مردم انجبا آخر روز بطریق سیر در حلقہ مجلس وارد می شدند چنانچہ سعدی گوید

ہر کجا چشمہ بود شیریں ۔۔۔ مردم و مور و مرغ گرد آیند

بوقت موعوده سر در پردۂ اختفا کشیده بعالم قدس ساس گردید خدایش بیامرزد شعر ریختہ را ابتلاش الفاظ و معنی تازه میگفت ایں چند بیت از وست

ہوئے ہیں ہر قطرہ سی اپس آنسو ڈھلک دریا ۔۔۔ کہیں کیونکر نہ چشموں کو ہیرے مردم پلک دریا
کرے ہے نہیں نوح کا طوفاں میری انکھوں سے ہم چشمی ۔۔۔ گیا وہ خشک ہو کب کا ہے ہیاں اب تلک دریا
افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دلکو اٹکا ۔۔۔ کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
چھپ کر مخالفوں سے آ اس طرح پلنگ پ ۔۔۔ کوئی سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

ابو کا رسا اسے مثل تنور مضموں
یک قرض نان کے خاطر تو کیوں پھرے ہے بھٹکا

کلی کھلتی ہے وہاں اُسکی جہاں خیمہ وہ نکا ہے رلا
ہوا معلوم مجھکو یہ کہ اب یہ طفل کھل کھیلا

بند شیشے میں کیا ہے تو بھی پھر کاتی ہے اک
دختر رز کی نہیں جاتی ہے لہر تاک جھانک

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں گر باور نہیں
مصحف رخسار پر پیارے رکھا لو ہمسے ہاتھ

چلا آگے سے جب کشتی میں وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کیطرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا شاید لیئے مکتوب جاتا ہے

ہم فقیروں میں تمہارا اے میاں کیا کام ہے
تم تو طالب زر کے ہو اور یہاں خالی کا نام ہے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے
ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

کرنا تھا نقش روئے زمین پر ہمیں مراد
قالی اگر نہیں تو نہیں بوریا تو ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند
ہو گیا دیکھ آرسی کتیں دو چند

خط اُس کے آ گیا ہے میری ہے سفید ریش
ملنے کو ابتیں وہ بتاتا ہے شام و صبح

احسن الله معاصر میاں مضمون و آبرو بود دبردیه شعرا اینها تلاش لفظ تازه و ایهام میکرد اما از غایت هجوم الفاظ معنی شعرش کمتر بنظر می آید ابیاتے که بعد غربال کردن دیوانش برآورده ام اینست

نام نستعلیق کا ہے اس بہت خوش خط کے زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اسلام

نہیں مضمون خط احسن الله
کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

شرف الدین علی پیام تخلص مرد عزیز الوجود بوده است اصلش از خاک اکبرآباد است شعرش بسیار پختگی می گفت نظم ها سے رنگین و شعرها سے متین وارد و اکثرش مضمون تازه و تلاش [illegible] شاگرد آرزو است واں دو شعر ریختہ نیز از دست

بات منصور کی فضولی ہے — ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا

ایک عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

سامان میر ناصر ساماں تخلص می کرد باکمال بے سروسامانی می زیست وطن او جونپور است در ابتدائے سلطنت محمد شاہ بدار الخلافہ اقامت داشت و اکثر بخدمت خان آرزو ملاقات می نمود و دیگر احوالش معلوم نقیر نیست این مطلع حسن مطلع ازوست

اٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے — کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

رقیب اس بھانت جلتے ہیں ہمیں دیکھ — گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

بینوا تخلص شاعرے بود گمنام از ساکنان قصبہ سیام شوخ چشم ظریف طبع گاہ گاہ بطریق لطیفہ شعر بدیہہ می گفت و در اوائل سلطنت محمد شاہ بدار الخلافت رسید و از ہر یکے کہ دراں عرصہ بعرصہ بود ملاقی گردید روزے در مجلس مشاعرہ وارد شد میاں شاہ مبارک آبرو کہ احوالش گذشت بد و التفاتے نہ کرد بعد دیرے کہ چار شد ند گفت کہ میاں آبرو صاحب شما از احوال مخلصان ایں ہمہ تغافل می کنند کہ گویا جائے بیں چشم نہ شدہ اند چوں ایشاں یک چشم داشتہ ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد و ہر یکے حضار خندہ بسیار سے کرد غرض کہ از تحائف روزگار بود ہمیں شعر بیادگار ازوست

بینوا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے — او میاں مالدار کی صورت

محمد اسمٰعیل بیتاب تخلص می کرد شاگرد میاں یکرنگ بود گاہ گاہ فکر شعری کرد ہنوز از مرتبہ موزونیت نیا مدہ بود کہ برحمت خدا رفت۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل　　　تو کیا آرام سے رہتا میرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں　　　پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

فدوی — محمد محسن فدوی تخلص از نجیب زادہ ہائے دہلی است با میان مضمون و آبرو صحبتہا داشتہ است در علم موسیقی مہارتے تمام دارد و ستار را بربط نیکو می نوازد آنچہ معلوم است از استکتاب اشعار و ابیات خویش متنفر است با فقیر آشنا است۔

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ نہیں سکتا سجن　　　دیکھ تو عاشق نے تیرے واسطے کیا کیا تجا

حاتم — محمد حاتم حاتم تخلص ہمصحبت میان مضمون و آبرو است اصل و منشاء وی شاہجہان آباد است در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ بمنصب صدی و خدمت یکا و لے نواب عمدۃ الملک مغفور پایہ امتیاز داشت بعد فوت او توکل روزگار نمود با کمال آزادگی می گزارند کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ شعر خوب جستہ جستہ می برآید حق تعالی سلامتش دارد

دلوں کے راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو　　　کہ چند روز سے موقوف ہے پیام سلام
مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو　　　عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

شہاب الدین ثاقب تخلص متوطن سیوہارا است مشق سخن بخدمت میان آبرو می کرد سابق ازیں چہار سال اتفاق دیدنش افتادہ الحال مفقود الخبر است شاید بوطن خود رفتہ باشد۔

ثاقب کی لاش اوپر قاتل نے آ کے پوچھا　　　یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

پاکباز — میر مکھن پاکباز تخلص خلف الرشید میان شاہ کمال است پدر بزرگوارش شیخ

تمام دارد روز جمعہ مجلس سماع بخانہ اش مقرر است اکثر قوالان شہر در آنجا می آیند
و دیگر مردم بتقریب سماعت نیز حاضر می شوند نیکوا دائے ہائے تواجد شیخ مشہور است
بندہ در میان مجلس بخدمت میاں پاکباز ملاقات کردہ ام گویند در مبادی حال
فکر شعر می کرد و از مصطفی خاں یکرنگ اصلاح می گرفت ایں یک شعر بنام او شہرت دارد

مجھے رہتے ہیں نت درد و الم گھیر میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

ندیم
مراد علی قلی ندیم تخلص مولدش شاہجہاں آباد است در فرقہ کہ بخطاب خانی
سرفراز بود از سابق برین چند سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام
بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیہا می کرد
چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عادل ایں دعوی است بالفعل کہ طرز گفتن مرثیہ ہائے او با
دلنشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتن شعر ریختہ مشغول است حق تعالی
سلامتش دارد۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے شعلۂ آتش نکلتے ہیں

بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال
مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

جعفر علیخاں عمدہ و عمدہ زادہ مقرر بیست بطلاقت لسان و عذوبت بیان نظیر
ندارد گاہ گاہ یکدو مصرع ریختہ فارسی موزوں می کند بندہ بخانہ نواب نعمت اللہ خاں
قراول بیگی بادشاہے بخدمتش ملاقات کردہ ام انواع شعر را بر وجہ اتم می فہمد

نہ ہو کھوجی ہمارے آنسو گئے منزل و رہ کے
خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جائیں ہیں بہ کے

بہار
ٹیک چند قوم او زرگر بود بہار تخلص می کرد علم منطق و معانی مع دیگر علوم بدرستی ورزیدہ
علی الخصوص در تحقیق لغت دست وافی داشت چنانچہ دریں باب خودش کتابے

تصنیف کردہ کہ نامش بخاطر نیست و ازین قبیل چند تصانیف دیگر دارد و وقتے کہ خان آرزو سراج اللغتہ تصنیف می کردند بعضے غلطی ہا برآورد و ایشان از غایت انصاف کہ خاصہ کمال است دخلہاے وے خان برداشتند اکثر شعر فارسی می گفت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ نیز موزون نمودہ۔

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے ڈرگوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہیں کچھ مغفرت کم ہے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
مجھے ایسا خراباتی کیا تجھ کو منا جاتے

خواجہ برہان الدین عاصمی تخلص از نبائر خواجہ احرار در کمال دانائی و ہشیار خرامی و بذلہ گوئی و نادر کلامی مستثنائے روزگار بود در عالم جواہر شناسی بصارت تمام داشت مولدش شاہجہاں آباد است در محلہ بہار پورہ کہ واقعہ شہر نو است با اعزاز و امتیاز بسر می برد اکثر فکر شعر مرثیہ می کرد و گاہ گاہ بپاس خاطر احبا دو سہ بیت غزل نیز موزون می نمود سابق بریں دو سال از جہاں رفت با فقیر خوششہا داشت خدایش بیامرزاد از دست۔ عاصمی

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو جا دیکھا تھا خبر تھا گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

محمد علی حشمت تخلص از مردم کشمیر بود حیا و جمیعت وا و بیست خلاف کلیہ وطن داشت سابق بریں دو سال برفاقت قطب الدین علی خان کہ آوازہ سخاوت و شجاعت وے در اطراف و اکناف عالم شہرتے عظیم دارد و معہذا بشرح و بسط آں تنگ حوصلگی ہاے ایں اوراق برمی تابد بسمت پھلپھر آباد رفتہ بود چوں در انجا با فوج علی محمد روہیلہ حشمت

پاے جنگ بمیاں آمدہا آنجا مع خان مذکور بجرأت تمام کشتہ شد خدایش مغفرت کناد

خطنے ترا حسن سب اوڑایا   یہ سبزہ قدم کہاں سے آیا

حکیم یار علی خان متخلص بشفا جوانیست مستعد کم و بیش از ہمہ جا آشنا علی الخصوص در فن کلابا بہت دستِ خوبی داشت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ و فارسی نیز می گوید بہر حال مرد خوبے است ہر جا کہ ملاقات می نماید بسیار بروے کرم پیش می آید خدایش زندہ دارد از وست

جوں ڈانک کے دینے سے دونا کھلے ہے یاقوت   چمکا ہے رنگ پان سے جوہر ترے لبا نکا

محتشم علی خان حشمت تخلص می کرد اصلش از شاہجہان آباد است پدر بزرگوارش میر باقی نام از مردان مشاہیر بود گاہ گاہ دو سہ شعر ریختہ و فارسی باکمال تازگی می گفت و در سلک ہر مصرعش گوہر معنی نایاب می سفت قبل ازیں ہفت سال بمرگ دفعتہً از جہان رفت او تعالی بخشش کناد از وست

نکہت گل نے جگایا کسی زندان کے بیچ   پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
بہار آئی دیوانے کی خبر لو   اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

راجہ نند رام مخلص تخلص قوم کھتری وکیل اعتماد الدولہ مغفور بود با وجود مصروفیت و کثرت جواب و سوال دو ربار صبح و شام شعر فارسی بدرستی تمام می گفت صحبت خان آرزو ہنگامہ موافقی گرم داشت و مشورہ سخن نیز بخدمت ایشان می کرد چوں رواج فن ریختہ بسیار دید خود ہم سہ چار بیت ازیں قبیل موزون کرد چنانچہ این شعر از وست ۔

وقت صبح آدمی کی کس کی نگر ایسی پڑی ہے   ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

نادر

نادر تخلص نوجوانے بود نادرہ گوئی شعر بہ ندرت میگفت واکثر از خطوط خوب
می نوشت ظاہر او رسالک رسالہ آحدیان بادشاہے سرفرازی داشت قبل ازیں
دو سال در کوٹلہ فیروز شاہ کہ قدیم مسکن وے بود مسلول شدہ انتقال نمود۔

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دور ہے یہ — ہر گرہ میں دل ہے اس کے گانٹھ کی پوری ہے یہ
دلبر کہیں بیمار ہو چشم سے عاشق کے دور نہیں — دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹے ہی جاہے چہرے سے خورشید رو کی زلف — اتنی بڑی ہوئی ہے پہ ذرا بھی شعور نہیں

سجاد

میر سجاد جوانیست مستعد متوطن شاہجہان آباد بصفات حمیدہ موصوف و اخلاق
پسندیدہ معروف صنائع لفظی را تیلا شہائے معین مقارن معنی نشاندہ و معنی را بوساطت
الفاظ رنگین باوج سربلندی رسانیدہ۔

شعر گر وصف چشم میں وہ کہے — ہے معنی میں اس کے یوں ایہام
گر تو باور کرے جس طرح دو مغز — ہوئیں توام میاں یک بادام

ابیات دیوانش قریب ہفتصد شعر در نظر در آمدہ شعر بیحاصل کمتر بر می آید

کافر بتوں سے داد تجا ہو کہ یہاں کوئی — مر جائیے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھر دھر
تھکی ہیں بسکہ تیرے راہ دیکھ دیکھ کے چشم — مژہ سے ان کے مژہ تک ہوئی ہیں کانٹوں
رہا تو زلف میں جا دل پہ ڈر ہے آنکھوں کا — بسے ہیں خونی و خونخوار خانہ جنگ پڑوس
کس طرح کوہکن پہ گزریں گی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف — روز سیاہ و نالہ شبگیر ہے یہ زلف
اگر صبح کو مجرا کسی کا لینے کو — نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

شب ہجر میں ہیں مرے جلنے کی قدر　　نہیں پوچھے ہے شمع اسکو بجھاؤ
میرا جلا ہوا دل نہیں اس مژہ کے لائق　　اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو
عشق گردش نہ آسمانی ہے　　یہ بلا کوئی ناگہانی ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ　　قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے
سرخی لب ہر آن میں کچھ ہے　　یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ　　آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
نہیں پہنچتی ہے جب تیں اس کی تیاں تلک　　تب تک ہماری خاک کی اٹی خراب ہے
یار کا جامہ ہمیں ہیگا عزیز　　یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے
دل کی جمعیت نہ کھو لب کھول کر　　ہوتی ہے غنچہ پریشاں بول کر
بند میں مت ہو دوانے عقل کے　　کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

فضل علی دانا تخلص مولدش شاہجہاں آباد است انجا کہ رتبہ و حالت اوست شاعری دون مرتبہ است بخدمت مولوی برہان الدین کہ از مشائخ کبار این زمان است بسبب ارادت درست بکمال آزادی و آزاد وضعی میگذراند ہر چند بظاہر در ذیل خواصان بادشاہی پابند علاقہ روزگار است لیکن در حقیقت از ہمہ چیز دست بردار گویند روزے در لشکر نزدیک سراچہ خاص ہمراہ آشنایان دربار نشستہ چیزے میخوردند درین اثنا حضرت ظل سبحانی با دو سہ خواجہ سرا از سوئے خیمہ بر آمدند دیگران دست و پا گم کردہ از سر طعام برخاستند گرایں یا اکہ از جائے خود حرکت نکرد حضرت کہ چنیں ملاحظہ کردند باز داخل سراچہ شدند روز دوم کہ این عزیز باریاب مجرا گردید باشارہ فرمودند کہ پیش بیا چون نزدیک رفت

ارشاد شد کہ اے شکم پرور دیروز ما بدولت و اقبال برآمدیم و تو از سر طعام برنخواستی عرض نمود کہ فی الواقع تقصیر دارم لیکن در آن وقت مشغول تعظیم شخصے بودم کہ تعظیم وے بہ نعمت وابستہ اوست و این کلمہ راقمے بر زبان راند کہ بردلہا موثر افتاد و حضرت از غایت انصاف بر استقامت وے آفرینہا خواندند و تکلیف نوکری او را معاف

ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا — یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا
مقابل بیٹھ کر میرے مجھے باتوں ہی میں بہلا — میرا دل لیگیا حجام کا سر کتیں سہلا
ترے چہرے کی گرمی سے ہوئیں بہیاں یوں اکھیاں — کہ جوں خورشید کی تابش لگے جاتی ہیں ہرن کہلا

سلیمان نام نوجوانیست کہ در حسن و جمال عدیم المثال است دلش فریفتہ او بود چنانچہ دریں شعر نام او آوردہ از وانا ست۔

اے سلیماں باخبر ہو ملک خوبی کو سنبھال — خط کا آپہنچا حسن کے گڑھنے کو تیرے مورچال
سادہ لوحی میں جو کچھ کہتا تھا تو سنتے تھے ہم — اب تو خط نکلا ترے اے شوخ اپنا منہ سنبھال
نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اوسکے ناقہ ہے — رگ گردن ہے میری اوسکے خنجر کو علاقہ ہے
تجھے انتظار میں پیارے مثال آئینہ — تمام عمر پلک سے پلک نہ میری لگی
نہیں مٹنے کے کیوں گٹے ہی سر سجدے میں رگڑا ہے — لگی جو بات ہاتھے پر مقرر وہ تو پیشانی
جب گفتگو میں تم نے غنچہ سے منہ کو کھولا — جھڑتے ہیں پھول گویا کیا بات ہے تمہاری

قزلباش خان امید تخلص مغل ولایت از نجبائے ایران زمین است تمام عمر در عیاشی و عاشق پیشگی بسر برد در سنہ احد شاہی مرحوم بنا بر تفرقہ ایران بملک ہندوستان افتاد خوش طلعتان این جا نگذاشتند کہ باز بوطن خود رود و ہمیشہ مصروف امید

گپ زدن و لطیفہ گفتن با نہایت بود علی الخصوص نورباے را از خوبان جہان بسیار دوست
می داشت چنانچہ روزے بائے مذکور بخانہ اش مہمان بود اتفاقاً ہنگام اختلاط مذکور
طبابت درمیان آمد گفت خان صاحب دے روز بنا بر آزار چشم پیش حکیم رفتہ بودم
فصد تجویز کردہ است صاحب دریں امر چہ می فرمایند تبسم شدہ جواب داد حکیم صحیح
می گوید اگر از من می پرسید برائے شما حجامت بسیار مناسب است چوں برائے دفع
آشوب چشم محجمہ گذاشتن معمول اطبا است ایں لطیفہ بغایت موقع افتاد غرض
زندگی دہ روزہ بخلاف اہل دانش بنوعی بسر برد کہ رشک عمر نوح میتوان گفت
او تعالی رحمتش کناد

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے — در و دیوار سے اب صحبت ہے
ٹال دیتا ہے ہنسکے باتوں میں — رو کے کہتا ہوں جب میں اپنا حال

انسان

اسد یار خاں المتخلص بانسان ساختہ پرداختہ نواب امیر خاں در کمال فطرت و
فطانت و غایت تمکین و متانت شہرہ آفاق بود چوں نواب مسطور بصوبہ داری
الہ آباد تشریف فرمود ایں بابا را بصلاح بعضے امور در حضور پر نور مقرر نمود از انجا
کہ صاحب درست واقع شدہ بود در عرصہ چند روز بدل بادشاہ غفران پناہ جا گرفتہ
مخاطب بخطاب اسد الدولہ بہادر گرد ہر چند بنا بر کثرت اشتغال امور ملکی دماغ شعر
شاعری نداشت مطلع از وست۔

جہاں سے بیچ اپنے آن میں ہر ایک دکھاہے — نظر کر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جمکا ہے

انجام

نواب امیر خاں متخلص بہ انجام است از نبائر شاہ نعمت اللہ ولی بود جبایش در
ہندوستان بشرف امارت وزارت در ہمچشمان خود اعزاز و احترام داشتند خودش

در زمان سلطنت محمد شاه بادشاه بمنصب هفت هزاری و خدمات متعدده سرافرازی داشت پیش آمدش در حضور اقدس اعلی موجب حسد و غبطه معاصرانش بود چنانچه بعد انقضای هنگامه نادر گردی بسبب رنجش نواب آصف جاه بصوبه داری الهٰ آباد رفت و بعد از چندی که حضرت ظل سبحانی فرمان طلب برای او فرستادند در جواب آن عرضی کرد و مطلع ریخته که بعد ازین مرقوم خواهد شد همان وقت سوزدل نموده در عبارت آن مندرج ساخت آخر الامر بنوشته وزیر مرحوم اعتماد الدوله بهادر بحضور آمد سال تمام بر آن نکشید که قضا رگ پاش بصورت جمدهر فولاد ساخته بدست غلام نمکحرام از عین جای دروازه قلعه بادشاهی برای رخصت روح او فرستاد حق تعالی رحمتش کناد از وست

اب یہی احسان ہے تیرا جو نہوں آزاد ہم — پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

مرزا گرامی

مرزا گرامی خلف عبدالغنی بیگ قبول از مردم کاشمیر است شعر فارسی بوضع خود بسیار مرتبه می گفت چنانچه احوالش من وعن داخل تذکره های فارسی است و از انجا که چیزهای چند از قبیل شعبده و نیرنگات بدست آورده عالمی را آب میزاند و بطور ملاحده و زنادقه باکمال بی معنی و بی باکی می زیست همواره مطعون زبان ارباب تحقیق می بود در آخر سلطنت حضرت فردوس آرامگاه حرف وجودش کزلک فنا از صفحهٔ روزگار بر داشت گویند این شعر ریخته از وست

حاضری بن محل نہیں کھاتا — بیگمی ہے پنیر شبنم کا

کمترین

کمترین از قوم افاغنه از قبیله ترین بوده باهمین نسبت کمترین تخلص مینمود در عالم هزل گوئی و هجو پردازی نظیر خود نداشت چنانچه هفصد شعر در مذمت اهل حرفه بر سبیل شهر آشوب از وی یادگار است مدت العمر در دار الخلافه بسر برده آخر حال در سرکار وزیر الممالک نواب

غازی الدین خاں بموجب درخور میگذرانید و ہمیں سال از جہاں رفت

اگر بھانڈوں سے عقدے نہیں ملتے ہیں ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

پلا کر مست نفرانے کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کی جا پچھاڑی

طبقہ سوم

در بیان اشعار و احوال شعرائے متاخرین بر متتبعان فن ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ اسحال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید طرز کلام ایشاں تا بر وتیرہ فارسی است چنانچہ جمیع صنائع شعرے کہ قرار دادہ اساتذہ اسلاف است بکار می برند و اکثرے از ترکیبات فرس کہ موافق محاورہ اردوے معلی مانوس کوشش می یابند منجملہ جواز لایبان می دانند الا ترجمان زبان مغل بریختہ کردن مقبوح است چہ دریں صورت صحت زبان یکے از ہر دو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح کہ زبان زد مردم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کسان طبقہ اولی کہ یک مصرع شان ریختہ و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی با لفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ مذموم محض می انگارند بہر حال این منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقہ شاعر باید نمود بیش ازیں بر صداع سامعان نباید افزود اگر در خانہ کس است اشارتے بس است

گوہر یکتائی سیادت لعل بے بہائے کان نجابت علت غائے وجود سخن الہم معنی آسمان سلکن افضل الفضلا افصح الفصحا میر شمس الدین فقیر سلمہ اللہ تعالی مردے از خاندان بزرگ در نہایت فضل و کمال است پسر نواب سعادت خاں امیر الامرائے عہد میرزا احمد کہ عبارت از سیف الدولہ بہادر است مشق سخن بخدمت آں سید جلیل القدر

می نمود چون مستغنی المزاجش یافت نقدی مبلغ دو صد و بست روپیه بے تکلیف نوکری بفرقهٔ احدیان بسماجت تمام بنام او مقرر ساخته هرچند لاتقش نبود لیکن برائے احتیاجات ضروری که انسان را از و گریز نیست طوعاً و کرهاً قبول نموده غرض در فن شعر فارسی فکر رسائے دارد و بنابر تفنن طبیعت دو سه بیت از قبیل ریخته می فرماید

تیرا منھ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جائے
اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے

زندگی موج آب ہے گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تیری بیاض گردن پر
نقطهٔ انتخاب ہے گویا

مرہم گزار سینه ریش یعنی بادشاه و بصورت درویش معنی آگاه عارف باللہ مرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی عالم و عامل عارف و کامل سرآمد ارباب تحقیق و پیش رو اہل تدقیق است در ظاہر و باطن مرتبه رفیع و شانے عظیم دارد در اوائل جوانی که مقتضائے آن ظاہر است بشعر و شاعری مشغول بود آخر حال خود را ازاں اندیشه باز داشته بر سجاده طاعت بفقر و قناعت می گذارند همیشه همتش مصروف تکمیل اہل ارادت می باشد این چند بیت ریخته وغیره تلامذه این فن برائے تعلیم انعام اللہ خان یقین موزوں کرده از دست

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

نہ آوے بالش مخمل اوپر خواب
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

ہنسنے کی ہے تو پہ درد ھوں میں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

مرزا مظہر

قاتل کو دیکھ بھیڑ گلی کے سمٹ گئی
یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے پٹ گئی

اودھر نگہ کی تیغ ادھر آہ کی سناں
اس کشمکش میں عمر ہماری ہی کٹ گئی

چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا
بچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ہے نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

کوئی آزاد کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

ٹپکے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑیاں کو

آتش کہو شرارہ کہو کو بلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری دیکھا صبا کے ہاتھ

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو
شیشہ پڑا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

عندلیب خوش نغمۂ گلشن روزگار گل سرسبد محافل اشعار یگانۂ کشور فضل نقاوۂ دودمان کمال انتخاب نسخۂ صاحب کمالی حضرت میرزا رفیع سودا مدظلہ العالی دریچۂ نظرگاہ معنی بروے دل کشادہ است کہ در مصرع کلک معجز طرازش شہرت را آمادہ اشعار رنگین و قصاید متین دارد چنانچہ قصیدۂ کوہ دو پیکر و در صفت بہار و ہجو بیکران و تضحیک روزگار وغیرہ از تصانیف اوست والد شریفش میرزا شفیع نام مغل زادہ بعمل تجارت مشہور بود بوقت سہو دہ بقدمی بریں تنہا قسمت زرے از ترکہ وے بدست میرزا افتاد و در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیل باد دستیہا بباد داد و بمصاحب بیگی برآمد قبول ملوک نامدار و تقرب سلاطین عالی مقدار او را میسر گشت بالفعل بخطاب ملک الشعرائی کہ ہمین پایۂ سخنوران است

اعزاز و امتیاز وار دالٰہی سایہ اش از سر جملہ سر و پائی کم مباد جنون و فراز

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
بلبل کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل میرا — گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا
ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا
موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے — دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا
کیونکہ وہ شوخ کتابت لکھے مجھ کو جنے — کھیل ہے ضد سے میری چھوڑ دیا پانی کا
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے — کہ جنے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نجائیگا — جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا
رخصت ہے باغباں کہ ٹک اک دیکھ لیں چمن — جاتے ہیں ہاں جہاں سے پھر آیا نجائیگا مرنے
ظالم میں کہا تھا کہ اس خوں سے درگذر — سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا
داماں و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا — عالم کے دل سے داغ دھلایا نجائیگا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہو سکا
نواحی میں ترے کوچے کی ہے یہ حال ہوا — کہ جوں چند آشیاں گم کر کے بستی میں پھرے بھٹکا
سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا
موج آتش ہے سیل آنکھوں سے — شاید اب دل کا آبلہ پھوٹا
تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا — لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا
تصویر میری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی — انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا
سودا سے کہا میں نے دل میں بھی گلہ کو دل — وہ کر کے بیاں اپنا روداد بہت رویا

ساقی ہمارے ہی توبہ تجھ پر ہے کیوں گوارا　　　منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا
تیرا دل مجھ سے نہیں ملتا میرا دل رہ نہیں سکتا　　　غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ابھی سے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی اس نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

طپش کی اندنوں دل نے نئی صورت نکالی ہے
لپکتا ہے پڑا زانوں کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا

تجھ بن عجب معاش ہے سودائی اندنوں　　　تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن　　　نے سیر و باغ نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبہ احزاں میں روز و شب　　　تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذر　　　لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو پھر غزل　　　پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس　　　پر جو خدا دکھا دے سو ناچار دیکھنا

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا　　　بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر　　　مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

جب شمس چال [illegible] پیا جو لگا لا　　　ہو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ نے
جب مست چمن سے ہو چلا گل کو دو لالا　　　غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے پیالا
کہتا ہے کوئی [illegible] تیرا گوشہ ابرو　　　دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو لگا لا
تقسیم ہی اکتا نے جھکی پشت فلک خم　　　ہرگز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا
ہر [illegible] جمعیت کو [illegible] دل میں　　　لٹکا دیا [illegible] زلف پریشان میں دیکھا

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ / کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

دیکھا ہے تجھکو در پہ ترے جسنے ایکبار / پھر جب تلک جیا بس دیوانہ ہی رہا

ٹک جاگ لے تو چھوڑ کے غافل پلنگ خواب / آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ خواب

بیداری سحر دل کی خوشا حال زاہدا / اک ہم ہیں رو سیہ کہ خراب و بہنگ خواب

آہ کس سرو میں قمری ہے قد یار کیطرح / نالہ کرتی ہے تو میرے دل افگار کیطرح

گل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور / رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گالی ہے پیام / کچھ کبھی اے خانہ خراب میں دل کی سمجھا کسطرح

یہ زندگی میری وحشت کا ننگ ہے صیاد / قفس مجھے ترے جنگل سے تنگ ہے صیاد

ہوا ہے حال میرا اسکو باعث تضحیک / کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد

فرشی پھرتی ہے یوں اس دل پر غم سے دور / جوں پھرے اہل طرب خانہ ماتم سے دور

عقل نے ایکدن آکر یہ کہا سودا سے / خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے / جس کا ثمرا رکھے تم کو دل عالم سے دور

دیوے تھا خیر کو زکوۃ حسن / میں کہا کیا ہے کہنے لگا خیر

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز / میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس / تھا ہی دلوں پہ داغ غم کوہکن ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا / آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

فقیر اتنا حضرت مرزا صاحب کا انتخاب نہ کیا بلکہ تمام دیوان منتخب است لہذا قلم در کشید نور چراغ کعبہ و بتخانہ دود سوز دل پروانہ تختہ ساز زخم گل داور سی نالہ بلبل حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر متخلص بدرد سلمہ اللہ تعالی مردی است عزیز و عزیزی است سراپا

تمیز کامل بجمیع کمال نمونہ قدرت ذوالجلال دلش گنجینۂ اسرار الہی وسینہ اش خزینہ انوار
نامتناہی است چنانچہ رسالہ در علم تصوف مسمی بواردات مشتمل بر اسرار چند تصنیف
کردہ کہ متعلق بدیدن است و دیگر ابیات و رباعیات بطور سحابی و خیام بسیار دارد
بالجملہ رتبہ کمالش تا بحدے است کہ والد شریفش خواجہ محمد ناصر کہ یکے از اولیائے
روزگار و مشائخ کبار است بہ نسبت مریدی و فرزندی وے افتخار ہا دارد ابیات
دیوانش قریب ہفتصد شعر از نظر گذشتہ ہمگی لب لباب و تمامی انتخاب است۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد و آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی — درد کو قصہ مختصر دیکھا

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ — جدھر ملی وہ ابرو ہمکو نماز کرنا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جی سے سیر تھا — زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی — جب تلک پہنچی پہنچی راکھ کا یاں ڈھیر تھا
شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو — درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا — میں چاہتا ہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

ہستی ہے جب تلک ہیں اسی اضطراب میں — جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں
غافل جہاں کی دید کو مغتنم نظر سمجھ — پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں
ہر جزو کل کے ساتھ بمعنے ہے اتصال — دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرق آب میں
ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی اگر — پہ ایک آرزو ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو
دیتا ہی اب تلک تو وہ دامن ہلائے صبا — کیدھر لئے پھرے ہے تو میرے غبار کو
جی کے جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی — ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
دید وا دید تو ہوئی دو سے میری اسکی — پر جو میں چاہے تھا سو بات نہ ہونے پائی
فرصتِ زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
خیر و شر کو سمجھ کے دو ہے زہر — سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہے
روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یہاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس سے — خالی ہو جائے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے
نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے — وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل سمجھے ہیں کہ آپس میں جو ہوگا — پر ان دونوں کے جھگڑے میں میرا کام ہوتا ہے
وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں — لیکن عجب مزہ ہے فقط دل کے چاہ کا

تقی میر

شمع انجمن عشق بازان فروغ محفل سخن پردازان جامع آیات سخندانی مجمع کمالات انسانی معجز طراز کرامت تحریر محمد تقی المتخلص بمیر اصل و منشاء وے دار الخلافت اکبرآباد است

در خدمت خان آرزو که خالوے او بود لختے دانش اندوخته اوائل حال پیش ظہیر الدولہ بہادر می گذارند چون بار شکر آبی رسید رفیق راجہ ناگرمل گردید چنانچہ تا حال با عز و امتیاز در رفاقت اوست۔

اس کا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا — بوسا بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا
ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے — ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا
مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا — مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لیکے رووے گا
اتنا دن اور دل سے طپش کرے کاوشیں — یہ جھلا تمام ہی ہے آج شب تا کاٹ
نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کے — قاتل در دو بھینچنے کے ہے صفائے گل
گل کی جفا بھی دیکھے دیکھے وفائے بلبل — یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل
کر سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل
کیا میں نے رو رو فشار گریباں — رگ ابر تھا تار تار گریباں
جنوں میری کی باتیں جو چمن اور دشت میں چلیاں — نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں
گریباں روز محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر — فغاں پر ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیرے ہتھ بلیاں
گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی — میں وہ نہال تھا کہ اوگا اور جل گیا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث — برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ
نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز — اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکا تھا
کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کو ہووے — اچنبا ہے جو اسکے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا
تو تھام دل دشوار ہیں عاشق کی آہ — حسرت میں کتنی گرہیں رشتے اک جا کے پیچ

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق　　رنگ کچھ اور ہوا جا ہے ہے ایک آن کے بیچ

لوہو میں شور بور ہے داماں و جیب میر　　بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

کر رحم ٹک کب تک جفا مجھ پر جفا کار اس قدر　　یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان آزار اس قدر

صدے آہ جی کے پار ہو ہے تیر سے شاید　　کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو

خوش آوے تجھ بن گل گشت باغ کس کو　　صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

مشہور چمن میں تیرے گل پیرہنی ہے　　قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھانبے ہے زباں شمع　　وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل　　ایک عالم ادھر نماز کرے

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں مجھے　　لکھتا ہوں تو پھری ہے کتابت بہے ہے

تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے　　نکیلے نپٹ اس جواں کی طرح ہے

خانقہ کا تو نکر قصد ٹک اے خانہ خراب　　رہ گئی ہے یہی ایک بستی مسلمانوں کی

طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی　　اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی

مدت سے میں گلگشت پر آوارہ چمن میں　　نکلی ہے یہ کیسی ہوس بال فشانی

کوکہ خان فغاں

کوکے خاں اصل نام وے مرزا اشرف علی است فغاں تخلص می کند در زمان سلطنت میرزا احمد بمنصب پنجہزاری مفتخر و مباہی گشت سلیقہ سخن سنجی درست دارد چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیداست چوں دریں ایام در دار الامان ہندوستان گردسیمہ آفات و شاہراہ بیتاب است بپاس آبروے خویش سفر بنگالہ گزید وہانجا رخت اقامت انداخت از وست

مے واسطے ساقی نہیں یہاں چشم تر آیا　　دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

نہ الفت نے محبت نے مروت — تیری خاطر کوئی بدنام کیا ہو
کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
شکوا تو کیوں کرے ہے میرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں میرے لوہو سے بھر گئی
شانے کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹتے — یک عمر چاہیئے تیرے زلفوں سے چھوٹنے
کچھ مدارات بھی لے خون جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہماں تیرا
عاشق کے دل سے پوچھیئے اس غم کو اے فغاں — الفت بڑی بلا ہے کسی کو خدا نہ دے
کٹی تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی گھڑیاں — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
مفت سودا ہے اے یار کہاں جاتا ہے — او میرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
صبا ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر — گریباں چاک رہتا ہے فغاں کا سبب کیا ہے
نہ اے قاصد میں درد یار کو فریاد کرتا ہوں — ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو — پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

رباعی

گر تونے کی یاری یاری وہ دن بھی گذری — ور ہم نے کی آہ و زاری وہ دن بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری وہ دن بھی گذری

سید محمد حسین کلیم

واجب التعظیم والتکریم میر محمد حسین کلیم متوطن دہلی است مراتب دانش کسب کرد و سرمایۂ سخن سرائے بدست آوردہ در علم عروض و قوافی رسالہ ہا دارد و پیش ازیں ترجمان فصوص بزبان ریختہ نظم می کرد و بسبب بعضے عوارض دست ازاں باز داشت حاصل کلام چنیں شاعر زبردستے است کہ او را پہلوان میدان سخن میتوان گفت قریب بیست ہزار بیت طور قصیدہ و غزل بوضع اشعار میرزا بیدل در حیز خامہ

دو زبانش ترتیب یافتہ از انجملہ انچہ بدست فقیر آمدا نیست۔

تجھے برق خار سے کام کیا جو تو چاہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

رکھے ہے انتظار دیدۂ یعقوب پر موسی
ہر ایک اعضا میرا گویا خمیر ماہ کنعاں تھا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کے کہ شیشہ سنگ تھا

درازئ شب ہجراں زلف یار کلیم
تو مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکے حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

قربان اس کے کہ عجب یہ مژدہ ہے
آشفتہ ہو گئیں یہ نہ زلفوں سے بل گیا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانے میں ہوگا

نقاب اپنے منہ سے جو تو یار کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا

وفا کا ہوں پرستہ نہیں ا تو پھرا
چلا جاتا جنگل کو پروا نہ کرتا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضا عندلیب

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
گر پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو جو پیتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

غرور حسن ممکن نہیں کیسی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

میرا آتش کدۂ دل کا کہیں ٹھنڈا نہیں ہوتا
بجھاتے نہیں ہیں جیسے نسب آتش میں آتش

کچھ نہ جھٹکے لیے جید و سخت ہاتھوں سے
دل گداختہ ہوں آہ و درد کرتا ہوں

اب دم شمردگی ہے مجھے کام ... [illegible]
[illegible]

کرم اللہ خاں درد نبیرہ نواب اصالت خاں مرحوم پارہ از علوم رسمی اندوخت بقافیہ سنجی مشغول شد ثمر استعدادش ہنوز نارسیدہ برخاک افتاد۔

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جاوے ۔۔۔ تو یوں جوں اس عقیدے سے کہ کفر اسلام ہو جاوے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر ۔۔۔ اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جاوے
ہر اک دم سانس ہو کر پھانس مجھ دل میں کھٹکتی ہے ۔۔۔ خلش جی کا اگر نکلی تو کیا آرام ہو جاوے
ادب ضرور ہے اس خاک آستانے کا ۔۔۔ تڑپ تو اس طرح بسمل کہ بال و پر نہ لگے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے ۔۔۔ ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو ۔۔۔ پلک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے
سامنے ہوتے ہی پھر نقش بیاے دل کے ۔۔۔ ہٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ
ظالم کروں میں ظلم سے فریاد کب تلک ۔۔۔ ٹک رحم بھی ضرور ہے بیداد کب تلک

فرخ علی ۔۔۔ میر فرخ علی از سادات قصبہ آنولہ است در سپاہی پیشگی میگذارند ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد اکثر شعر فارسی بر طرازد گاہ گاہ بطور ریختہ نیز فکر میکند خوش خوئے و آشنا روئے ز رنہار دوست۔

اسقدر مجھ سے ہو کیوں اے مہوشاں نا آشنا ۔۔۔ میں بھی تو شاید کسی دن تھا تمہارا آشنا
گو ہوا تیرے تئیں مجھ سے خسرو کی دولت جاہ و مال ۔۔۔ پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہ کن سا آشنا
چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر ۔۔۔ عشق میں تیرے ہو مجھ سے جدا کیا کیا کچھ

ہدایت ۔۔۔ میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص میکند زادگاہ او دہلی است مرید و شاگرد حضرت خواجہ میر صاحب است بسیار باستغنا میگذارند و آبرو بر در ہا نمی ریزد بالجملہ مروے از قوم افاغنہ با این جمعیت اخلاق و احوال بر نخاستہ لالہ سیدہ راے

پیشکار خالصہ بادشاہے است چیزے تواضعش میکند و منت قبول آں بر سر و دوش خود میگیرد چوں ہمسایۂ فقیر سکونت دارد از وست

بھلا بتا تو میری جاں کچھ ہدایت نے — تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہوکے کبھو — کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا
تیرے زلفوں کی کچھ چلی تھی بات — روتے ہی روتے گذری ساری رات
یاد کرتے ہی زلف کی ہے قہر — پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر
کیا کہوں تجھ بن مجھے ہر دم دم شمشیر ہے — سانس جب پلٹی ہے گویا بازگشتی تیر ہے
دولت نے سعی کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قدر — ورنہ مشتِ خاک اپنی کیا کم از اکسیر ہے
تجھ دل سے تیر عشق ترا پار ہو چکا — ہونا جو کچھ تھا سو تو میرے یار ہو چکا
نت دکھ کے مرنے سے تو ہدایت بچا ہوں میں — مرنا بھی گر ہوا کہیں یک بار ہو چکا
ہم وہ دوانے نہیں ہیں جنہیں زنجیر کریں — آگے خاطر میں جو یاروں کے ہو تدبیر کریں
کیا کہوں میں کہ تیرے ہجر میں کیونکر گذری — وہی جانے ہے میری جان کہ جس پر گذری
دید عالم کا کوئی دم کیجے — کس کی شادی و کس کا غم کیجے
دیدہ و دل ہیں گھر تمہارا ہے — آئیے بیٹھئے کرم کیجے
اے کہ ماتم میں عزیزاں کی ہے تو خاک بسر — بیخبر کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے کہ نہیں

قلندر

بدہ سنگھ قلندر تخلص ہندو پسرے است عیالش از نعمت دنیا حظے وافر داشتند اورا شوریدگی دماغ دریافت از خویش و قوم خود گسیختہ قلندرے برآمد

مجھکو کیا ہے جنوں نے آ کر دی — ساری عقل و خرد ہوا کر دی
تجھ سنے مل کر ہوا میرا دشمن — تو نے اس دل کو کیا بلا کر دی

اے قلندر جہان معنی میں — داد تو نے سخن کی آکر دی
پارس اور ہند کر دکھایا ایک — اینچہ اعجاز بر ملا کر دی

بیان

خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیان ہنگامہ آرای صحبت اشعار است در فن ندیمی دستگاہی دارد پیش ازیں کوکے خان فغان در دہلی بود بنا بر علاقہ محبت باد میگذرانید دریں ایام بیکار است او تعالی درخور مراد جمعیت ظاہری و باطنی کرامتش کناد

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش تجھسی یار تھا — در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا
جفا ایسا جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں — ستم ہوتا اگر الطاف سے اُسکی جو یں کرتا
مصلحت ترک عشق ہے ناصح — لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو — انہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا
کیا چلے تھے راز دل کہنے کو لوگوں میں بیاں — آپ بھی مطعون ہوا اور اس کو بھی رسوا کیا
بیاں تیرے کوچے سے چلتا رہیگا — میری جان تو ہاتھ ملتا رہیگا
ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف — کافی ہے یاس اس دل ناشاد کی طرف
کروں شکوہ درد غم کب تلک — بہر حال جیتا تو ہوں اب تلک
کچھ بے ادبی کی ہے بیاں تونے بھی اس سے — ناحق کوئی دیتا نہیں دشنام کسی کو
حسرت یہ اس غریب کی آوے اجل کو رحم — بالیں پہ جس کے یار دم واپسیں نہ ہو
جادو تھی سحر تھی بلا تھی — پیارے وہ تری نگاہ کیا تھی
کدھر ہے کہاں ہے خوشدلی تو — ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
مارا ہے بیاں کو یار جس نے — کیا جانئے کونسی ادا تھی
مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی — جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

کس واسطے شتابی جانے کی اسقدر ہے ۔ گو صبح ہو پیارے یہ بھی تو اپنا گھر ہے

کون کہتا ہے با وفا تجھ کو ۔ کذب ہے افترا ہے تہمت ہے

یہاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو ۔ تجاہل کے قرباں تغافل کے صدقے

الجھ دیکھو دامن ہے اس کے بھی ہاتھوں ۔ یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے

لب تک تو شکایت سے آئی ۔ پھر آگے حجاب سے نہ نکلی

آئی نہ جگر سے آہ باہر ۔ یہ سیخ کباب سے نہ نکلی

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا ۔ عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیگا

غنچوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں ۔ زانوں پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

میر سوز

سیادت پناہ محمد میر مطلب خوشنویس بے نظیرے است خط شکستہ و شفیعائے خوب می نویسد تختے از موسیقی آگاہ در مبادی حال میر تخلص می نمود چوں اورا با میر تقی معارضہ افتاد ازاں باز سوز تخلص کرد با فقیر قدم آشنائے دارد وازنجا کہ داخل توپخانہ بادشاہے است بسبب ہم قربگی اکثر بدربار معلی ملاقات میشود

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا ۔ اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

تجھ ستی سن ایظالم کوئی بھی ہے گردیدہ ۔ دیدہ ہیں سو گریاں ہیں دل ہے سو ستم دیدہ

اے آہ ابھی رہ جا دل چین سے سوتا ہے ۔ مشکل ہے اگر چونکے یہ فتنۂ خوابیدہ

انکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں ۔ پرہیز اگر کرتا بیمار نہ ہوتا میں

نہیں دیتا ہے مجھ کو چین یہ دل بیقراری سے ۔ تنک جھپکے تو دکھلاوے کہ میں بیہوش ہوتا ہوں

چین آتا نہیں مجھے یارب ۔ دل پہ اضطراب ہوں کس کا

شوق

میر حسن علی شوق سپاہی پیشہ است ہمیشہ بروزگار عمدہ گزرانیدہ اکثر شعر فارسی

در پیشہ دارد و خود را از شاگردان خان آرزو می گیرد۔

پڑھ کے مجھ خط کو یہ جواب دیا — نامۂ شوق کا جواب نہیں

دردمند

محمد فقیہ دردمند تخلص می کند در عنفوانِ شبابِ حسنی دلفریب داشت شاہ ولی اللہ اشتیاق کہ در طبقۂ ثانیہ گزشت بمشاہدہ جمالش عمر از سر نو می گرفت چوں گل زیبا از رنگ و بوئے وفا اثرے ندارد باندک تغیر گسیختہ بمرزا جان جاں مظہر پیوست مدتے بخدمتِ ایشاں استفاضہ آگاہی کرد بقافیہ سخن سنجی برآمد چنانچہ مثنوی ساقی نامہ مع دیگر ابیات بر صفحہ روزگار ازو یادگار است۔

قفس تک بھی نہ پہنچی اور پڑی دور آشیانے سے — عجب ساعت سے بچھڑے تھے چمن کے آشیانے سے
الٰہی مت کسی کو پیش رنج و انتظار آوے — ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

یقین

صدر نشین بزم شعرائے متاخرین انعام اللہ خان متخلص یقین شاعر صاحب طرز یگانۂ عصر و وحیدِ دہر است باخلاق حمیدہ اتصاف دارد و مصرع از زبان ہائے خامۂ سحر طرازش باین ہمہ لطف و خوبی می تراود کہ بمجرد استماع دل عشاق قطرات خون شدہ از دیدہ فرو میچکد بزرگانش در بلدہ سہرند اقامت داشتند و اکثرے از شرفا و روسائے آن ضلع بخدمت ایشان استفاضہ معنی می کردند چوں والد شریفش بدار الخلافت رسید حمید الدین خاں کہ ملقب بنیچہ بود صبیہ خود را بہ آن بزرگوار نامزد کرد و این معنی را موجب افتخار خویش دانستہ بالفعل خان موصوف بمنصب ہزاری پانصدے سرفرازی دارد و پیش ہم چشمان خود معزز و موقر است حق تعالیٰ سلامتش دارد۔

ہے تیرے داغ سے تر سینۂ سوزاں میرا — آب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا
غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل — بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

موج دریا کی طرح ضبط میں آسکتا نہیں — کیونکہ لکھے کوئی احوال پریشاں میرا
روا گر دیجئے اس کو بھی کچھ عیب نہیں — آئینہ سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا
میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن — چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند — برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
رہا میں بیخبر افسوس لذت سے اسیری کے — اگر یہ جانتا تا کنج قفس میں آشیاں کرتا
اگر مرکر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا — خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گماں کرتا
کہتے ہیں کہ تسخیر میں آئینہ کو آتی ہیں — دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہوگا
ناچار سے دل اپنا گیا خاک میں یقیں — اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا
جو کچھ کہیں یہ تجکو یقیں ہے سزا تری — بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور — آج بادل کسطرح اٹھے ہیں یہ برسینگے زور
خال گورے منہ کا لیتا ہے سحر دل کو چرا — اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور
دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف — خوش نہیں لگتا نظر کرنا بیاباں کی طرف
اس ہوا میں رحم کر ساقی تو دے جام شراب — دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے — یہ سب کچھ سنکے ساقی بات پی جانیکا کیا حاصل
جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں — کس کسطرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو — کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں
یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے — پڑا ہوگا دوانہ باؤلا سا کنج گلخن میں
کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریا — مرتا ہے یہ دیوانا کھول دو زنجیریا
وہ ناخن ابرو خوباں سے خوشنما رہے — کسی کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

گالی بھی پی گئیں ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

کوئی یہ جا کہو سامنے چھوڑ کر عاشق ہو شمع کا
گذر آتش پرستی سے یہ پروانہ سی کہدیجو

اسیران قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صبا دست ہمکو خبر کیجو

منھ اپنا نہ دکھا کر ہو جاوے گا دوانا
آئینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں ہماں راتوں کو سو تیری بلا جانے

وصل کی گرمی سے مجکو غش آتا ہے یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس لشتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمین کیجیے

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے انالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

ہمیں ہجر چمن ہے موت پر صیاد کیا جانے
جو گذرے سر پہ مقتولوں کے سو جلاد کیا جانے

دوانا ہوں میں جی دینے پہ مجنوں کے سلیقے کا
مزہ لے لے کے مرنے کیطرح فرہاد کیا جانے

مجھے یہ بات ہیگی یاد اک مجنوں عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گذرے گریباں سے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہ نہیں ہے آخر گلستاں کے

ٹک اک انصاف گر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

اب تو کیجے نگہ لطف کہ ہے توشہ راہ
کہ کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہے

حزین

افتادہ مزاج و خدمت گزیں میر باقر المتخلص بحزیں از سادات اکبرآباد است پیش ازیں بعلاقہ روزگار در دہلی بود الحال کہ کساد بازاری مردم کار است بنگالہ رفتہ

وہ کہ ہے ملک سلم جسے یکتائی ہے   خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن   سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

فراق

مرزا مرتضی قلی فراق از ملازمان توپخانہ بادشاہی است اکثر شعر فارسی بر طرز اندو در سخن سرائے سلیقہ درست دارد ہر چند آن طوطی شکر شکن متولد ہندوستان است لیکن نظم کلامش مانا بفصحاے ایران۔

تماشا اس چمن کا کس کے دلکو شاد کرتا ہے   کہ یہاں تک لب تبسم غنچے کو برباد کرتا ہے
اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں   کوئی ان ہم نوایان سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

خاکسار

میر محمد یار متخلص خاکسار مردے است جنتی از خادمان حضرت قدم شریف در حقیقت متمکن و باعتقاد خود ظریف ہر چند حسن باآشنا و غیر آشنا بر سر رشتہ مزاح می آرد لیکن ہمکش تاب شنیدن جواب ندارد بنا برین از تمام عالم شاکی است چنانچہ حضرتم مرزا رفیع صاحب نقل می کردند کہ روزے بندہ و این عزیز بخانہ مرتضی قلی وارد بودیم این بابابے موقع وقت اختلاط تقریب شکوہ میر تقی بمیان آورد و بحضار تکلیف ہجو میر مسطور کرد ہرگز این معنی را ہیچکس قبول ننمود مگر بپاس خاطر ہمان لحظہ این مطلع را موزون کردہ حوالہ اش نمودم۔

میر کا مکھڑا ہے بنے تھا گل زنبق سا ہے   پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ ہنبق سا ہے

بمجرد شنیدن قریب بود کہ حاضران مجلس از فرط خندہ ہلاک شوند و ایشان نیز بدستور چون ساعتے برین منوال گذشت دید کہ یاران دست از خندہ بر نمیدارند نگاہے بر شکم خود کرد و دفعتاً برخاست و ہر چہ پوچ و حشو کہ در دنیا بود تحویل سامعہ میرزا و یارانش نمود ہر چند مردم رو بسماجت آوردند ہیچ فائدہ نکرد از آن روز ترک ملاقات است

دل آشفتہ ہو کے کیا لیا میں
اے خانہ خراب کیا کیا میں

تیرے زلف سیہ سے اے پیارے
مجھ کو یکسر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کے تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

تیغ قاتل سے ہوئے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کو اٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے ناصح تجھے حاصل مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسا عاشق میخوار کو تقوی سے کیا
ابھی دیکھا تھا میں اس زہد کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو تیرے پیارے
یہ تیرا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجو حجام
تار اس زلف کا رگ جاں ہے

تمکین — صلاح الدین تمکین شاعر خوبے است دخل را از خرچ فنا سازد ہموارہ با دو کتاب شراب مشغول است تا سر طافح نشود دست بر ندارد از وست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھکو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

خانہ برانداز محبت خراباں میر عبد الحی المتخلص بتاباں جوانے بود در نہایت حسن و جمال ہمصحبت یاراں حال با وجود لیلی لشی مجنوں را داب محبت آموختی و باکمال انجمن آرائی شمع وار داغ برجگر سوختی اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ داشت آخر حال برفاقت نواب عنایت اللہ خاں بہ تنعم می گذرانید چوں در خوردن شراب کثرت تمام کرد رطوبت فضلی بہم رسانده مستسقی گردید و بہمیں احوال از جہاں رفتہ۔

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دل بیتاب کا
آب جسکو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا

اے طبیبو سوائے وصل کبھو
کچھ بھی درماں ہو عشق کے تپ کا

بیتابیوں کا عشق کے کرتے ہو کیوں گلا
تا آں اگر یہ دل ہے تو آرام ہو چکا

ساتھ تو سو لے ظالم پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی کرتے آہ ہو جاتی ہے صبح

لے میری خبر چشم میرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

دن تو تجھے جاتا ہے تڑپتے مرے تاباں
سچ کہہ کہ حقیقت ہے شب تار کی کیونکر

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

غم دل میں ہے ہجر کا ہجراں ہے یا وصل کا
ہر گز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں

پہنچا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پیا اب تک
قاصد پھرا نہ وہاں سے لیکر جواب نامہ

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے
آہ کیا چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے

تیری ابرو سے مرا دل نہ چھٹے گا ہرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

آج تھمتے نہیں میرے آنسو
تیرے کوچے کی راہ پائی ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنے
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

یوں تری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی
ایک زنجیر میں جیسے ہوں گنہگار کئی

مرگ کے سے تو نہیں میرے کچھ آثار ہنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

چشم و بینش دانش سرو مک دیدۂ آفرینش افسر فرق بختیاری نقش و نگین غازی الدین خان
پائدار ہے اشرف اہل زمان وزیر الممالک غازی الدین خان بو الاقطرتے
شگفتہ روئے معروف است احوالش از کثرت اشتہار محتاج بتکرار نیست ۵
تاب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را ۵ درایامے کہ فقیر این غزل طرح کردہ بود

کہ مطلعش اینست ۔

کوئی دن آگے بھی زاہد عجب زمانا تھا — ہر ایک محلہ کی مسجد شراب خانہ تھا

درہماں ردیف و قوافی بتغییر بحر چند شعر برداشتہ موزوں کرد کہ مثل آں بسیار
تلاش میتواں گفت و ہمیں نسق گاہ گاہ علی سبیل تقریب یک دو مصرع ریختہ
و فارسی فکر می کند چنانچہ ایں مطلع از ہماں غزل است

کھولنا زلف ایک بہانہ تھا — مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

مہربخشا

خاں رفیع الشان مہرباں خاں بہادر جوان خوش ظاہر و باطن پسر خواندہ نواب
امیر الامرا غالب جنگ محمد اصغر خاں بہادر است ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد اکثر بمقتضائے
موزونی طبیعت با شعر و سخن و اہل آں الفت تمام دارد چنانچہ میر سوز و غیرہ دو سہ
شاعر ریختہ از قدیم بخدمت او می بودند درین اثنا یگانہ جہاں اشرف زبان حضرتم
مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں بہادر در
بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزائے موصوف
را برفاقت خود گرفت ازانجا کہ تربیت اہل کمال را اثرے تمام است سخنش ایں ہمہ
ترقیات نمایاں کرد کہ بالفعل شاعر زبردست را از عہدہ آں برآمدن دشوار است
چنانچہ در ردیف و قوافی مشکل زمین غزل تازہ می پیماید و داد سخنوری میدہد حق تعالی
سلامتش دارد — از وست

کسے نے روح کی قسمت میں کوئی شام لے آیا — ہمیں لے کچھ نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

حافظ حمید و سخن لالہ بندرابن من سکان بلدہ متھرا یاران مرزا صاحب است بسبب
تحریر تشنگی راقم تخلص می کند قوت حافظہ بکمال دارد چنانچہ قصیدہ صد بیت بیک

شنیدن یادگرفتہ بہ تکرار آں متامل نشود بالجملہ مذاق سخن درست دارد خصوصاً غزل را بر رنگے مخمس کند کہ زیادہ از پنجہ حنائے گل بر جان ناخن بدل زند

ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا — چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات عالم کا — صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلف کے خم کا
جو کہ مائل ہے تیغ ابرو کا — تشنہ لب ہے وہ اپنے لوہو کا
تیری اعضا میں تجھ کمر سے میاں — فرق ہرگز نہیں سر مو کا
راقم ہوتا نہیں وہ ہم آغوش — کیونکے ہو دور درد پہلو کا
حاضر ہے ترے سامنے راقم کر اسکو قتل — مجرم یہ سب طرح سے ہے پر اک نگاہ کا
ترے پیچھے میرا دل اشک کی طرح — گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا نہ پایا
ہے زلف میں تیری جائے عاشق — زنجیر ہے اور پائے عاشق
اے عشق تو اس طرح مجھے مار — تا یار کہے کہ ہائے عاشق
دیکھا نہو جسمیں کوئی سبز زمیں نہیں — پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہاں میں ہیں اہل کرم کے ہاتھ — آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
مرے مے پینے پہ زاہد کریں تو سنگسار — نہ ہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
کیا ہنسے ہے تو مرے سینۂ صد چاک کو گل — سر فرو لا کے ٹک اپنے گریباں کو دیکھ
معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش — اپنی رحمت پہ نظر کر میرے عصیاں کو دیکھ
ابر ترے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں
زلزلے کو ایک دم فرصت نہ دے — ہوئے دل میرا اگر زیر زمیں
یہاں تک قبول خاطر کیجیے تری جفا کو — تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

مژگاں سے دل بچے تو ابرو کرے ہے ٹکڑے ‌ ‌ ‌ یہ بات کہہ کے میں نے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی ‌ ‌ ‌ تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی
دیکھا میں رات جا کر احوال چشم راقم ‌ ‌ ‌ برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی
کس کے گلو کا قطرۂ خوں ہے تہ زمیں ‌ ‌ ‌ جوں لکہ اوگتے ہیں گل اور رنگ ابلک
بیچوں ہوں میں اُس پاس یہ دل نیم نگہ کو ‌ ‌ ‌ اس پہ بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں ‌ ‌ ‌ کام عاشقوں کا تجھے منظور ہی نہیں
کہتا ہے کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ ‌ ‌ ‌ اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

مخمس میر تصنیف راقم کہ غزل مرزا صاحب را تضمین کرد

مخمس

نشو و نمائے باغ جہاں سے رمیدہ ہوں ‌ ‌ ‌ شادابی ریاض سے دور آفریدہ ہوں
فکر غم خزاں سے بہت آرمیدہ ہوں ‌ ‌ ‌ نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

یارب مری کٹے ہے عجب طرح صبح شام ‌ ‌ ‌ حیرت ہی میں گذرتی ہے میری تمام ایام
مطلب نہ غم سے مجھکو نہ کچھ خوشی سے کام ‌ ‌ ‌ گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

مجھ سے تو میرا غنچہ آشیاں ہیں ‌ ‌ ‌ گو سو طرح کی حسرتیں اس دل کے بیچ ہیں
اظہار اوسکا تجھ سے ہو کیا سنے اتنی ایبا ‌ ‌ ‌ تو آپ بے زبان زد عالم ہے ورنہ میں
یک حرف آرزو سو لب نارسیدہ ہوں

سنتا نہیں ہے درد محبت کا بادشاہ ‌ ‌ ‌ قاضی سے عشق و دستہ ناکی ہے اس بے

اور کوتوال شہر کی رشوت پہ ہے نگاہ　　کوئی جو پوچھتا ہے یہ کس پر ہے دادخواہ

جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

آیا نہ تجھ کو رحم میرے حال پر کبھو　　پوچھا نہ تو نے آکے میری چشم سے لہو

دیوے گا کیا جواب خدا کے تو روبرو　　سر کھینچا کے گل کی تسلی چمن میں تو

خون جگر میں آیا ہی) تو دامن کشیدہ ہوں

بسمل صفت نہیں ہے مجھے آرام ایک تل　　ہے جگر میں میرے دم سے نہایت ہی متصل

ملتا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل　　غافل ہے کیوں ترا میری فرقت کے غم میں دل

اس کے سبب خبر میں نالہ تلخ پر یدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھو کہ ترا رنگ کیوں ہے زرد　　کہتا ہے گاہ یوں تجھے ہجر کے آہ سرد

تو کون ہے جو ملتا ہے چہرے سے اپنی گرد　　میں کیا کہوں کہ کون ہوں سو دالقول درد

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں مخزن آفت رسیدہ ہوں

میرزا محمد حسین تخلص مخلص متوطن شاہجہاں آباد نبیرہ وزیر خاں مرحوم است کہ در عہد عالمگیر بادشاہ فوجدار بلدۂ سہرند بود ہر چند خانہ زاد موروثی است لیکن چون ارکان سلطنت از احوال امثال چنین مردم غافل واقع شدہ از بنابراں بنقدی قلیل در رسالہ گذر خدمت می نماید حق تعالی سلامتش دارد۔　مخلص

سرخ چہرہ ہے نہیں خون کسی کا یارو　　باندھیو یا نہ میرے لال پہ بہتان مگر

محمد محسن تخلص جوانیست نوخواستہ خلف الرشید میاں حسن کہ خواہرزادہ خان آرزو است طبعش خیلے مناسب شعر افتادہ اگرچہ مشق خواہد کرد بسیار مرتبہ خواہد گفت۔

یوسف مصر سمجھتا ہے کوئی — تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ — زندہ کرتا ہے نام عیسی کو
دور سے گئے وہ کوہکن قیس کے جو تھے — میرے جنوں کا ابتو زمانے میں شور ہے
میرا رنگ سا رواس قدر زرد ہے — کہ یہاں زعفران ابھی گرد ہے
اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور — مرے پاس بھی ایک دم سرد ہے
بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے — اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے
اک راہ پر تو آؤ اب میر کو کہ محسن — مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے
تصویر واحسرت دل ہے — یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے
دل پہ آبلہ میرا محسن — رشک آئینہ حبابی ہے
اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالہ شب کا چرچا — دیکھیو تو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبع نازک کو مرے ہاتھ میں کھیو تو کہیں — قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں
ناک بہو ہی عاشق الٹ گئے — مجھے تلوار سے لے شوخ کس کا ہے
کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں — مجکو تو تن بدن کی بھی اپنی خبر نہیں
اس دشت پر خطر کا یہاں انتہا ہو حال — آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں
اے دیدۂ خانماں تو تو اپنا ڈبو چکا — اب رونا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
محسن مرد نہیں تو بھلا جی کیا کروں — ایک دل بساط میں تھا سو بھی کھو چکا
دل میرا وابستہ ہر تار زلف یار ہے — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے
اور سے عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر — جان برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے
نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت — لئے ہی جاتی ہے دل وہ چھپائی آنکھوں میں

جان بلب ہوں ہیں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں — دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے ارمان کہیں
کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں اس بن — ہو بھی اے مردن دشوار تک آسان کہیں
جس دن تری گلی سے شہر نام سفر کیا — ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

ضیاء

میر ضیاء بشاہد پرستی مشہور است و لیل و نہار با شاہدان روزگار محشور ظاہر حالش آراستہ تمکین و صلاح است لیکن کہ باطنش نیز بخیر و فلاح باشد

جنت کا مت دو مژدہ مجھ غمگین ہے دل کو — آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو
جوں چنار اس جا بہو سے ہیں پھل آگ ہیں ہم — جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو جل جاتے ہیں ہم
مغاں میخوار سب یہاں سے دلوں کا کام اٹھے — ہمیں ہیں نامراد ایسے کہ خالی جام اٹھے

قدرت

دانش آگاہ شاہ قدرت اللہ از بنائر شیخ عبد العزیز است کہ مزار شریف ایشاں پہلوئے چپ کوشک واقع است در عنفوان شباب چندے چہرگشتے گردہ بسودائے خدا پژوہی افتاد و با کثرت از مشائخ روزگار و رخور دار واما چوں کارہا در گرو تقدیر است اورا از صحبت تبرک این طائفہ کشادکارے دست نداد آخر حال بخدمت شاہ محمد عشق اللہ کہ سردفتر قلندران زمانہ بود ملاقات کرد و بمقتضائے مناسبت مزاج در اندک مدتے کار خود را باتمام رسانید بالجملہ او را حالت شگرف حاصل است کہ ہیچ گاہ افاقت از آن متصور نیست باوجود نشئہ میگذراند و یک طور مقید نیست بر احوال فقیر شفقت ہائے کند حق تعالی سلامتش دارد۔

وہ دن آتا ہے کسی کو نہ کوئی یاد رہے — نام مجنوں سے پہنے شہرۂ فرہاد رہے
ہماری خاک پر کہتے یہ بلبل بیقرار آئی — ارے کس نیند سوتا ہے دوانے اٹھ بہار آئی

آوے کیونکے یاد ہم جہاں ڈھونڈھتے ہیں
کہ وہ بے نشاں ہم نشاں ڈھونڈھتے ہیں

تمنا کو ہے مژدۂ ناامیدی
کہ وہ کس جگہ ہم کہاں ڈھونڈھتے ہیں

اپنے سے ترک کرے یار ہوسکے یہ نہو سکے
ایسے مقام سے کنار ہوسکے یہ نہو سکے

چشم جو عین وصل میں رہتی ہے تشنۂ جمال
ہجر میں ان سے انتظار ہوسکے یہ نہو سکے

وعدۂ سلسبیل پر ہمسے تو آج واعظا
ترک شراب خوشگوار ہوسکے یہ نہو سکے

جاوے اے قدرت اس جگہ تو ہی ذلیل ہٹا
اپنی تو آنکھ پھر دوچار ہوسکے یہ نہو سکے

میر ابوالحسن وحشت چندے غزال روحش بچراگاہ وجود مستانش گشتہ بصحرائے عدم شتافت۔

میں تو شروع نزع سے کی تھی تجھے خبر
پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

گھر گریۂ شب گاہ میں آہ سحری ہوں
جو ہے کہنے سو ہوں پر گرد بے اثری ہوں

جس پاس میں جاتا ہوں سو دیتا ہے جھٹک مجھے
گویا کہ میں گرد قدم رہگذری ہوں

قاتل اگر کہے کہ سکتا ہی چھوڑ دیو
خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

شیشہ نہیں جو سول لیا دیں گے پھر اسے
پیارے یہ دل ہے اسکو سمجھ کے توڑیو

گردنگا اس دوانے دلکی ہیں بہ تیر آنکھوں سے
لگی ہے بہنے موج اشک کی زنجیر آنکھوں سے

مثال عکس آئینہ نکل جاتا ہے جی میرا
جبھی تک دور ہوتے ہی تری تصویر آنکھوں سے

کہیں چھوٹ دیکھا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں
صبر گیا تو چلا جائے تجھے کہتا ہے آتا ہوں

جس سے ہو آشنائی کا رشتہ نہ توڑیے
گھٹتی ہے اس میں توڑکے پھر جوڑیے

نسترن ہے گل ہے سوسن گل یا درنگ ہے
اے بہار باغ بے رنگی یہ کیا کیا رنگ ہے

بید مجنوں کی طرح جتنی بڑھی گھٹتی ہے
شجر عمر کی بالیدگی معکوسی ہے

سلام — نجم الدین سلام محاسن سخن بود شعر را نیکو می فہمید ہمراہ لشکر نواب صفدر جنگ به پورب رفته ودیعت حیات سپرد۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ — درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بیتاب ہو قسم ہے تمہیں میرے صبر کی — سلجز میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ کاشی ناتھ — لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ پٹیالہ پسر نونده رائے پیشکار یست از نا موزوں تا موزوں فرق میتواند کرد

مجھ دل کا اے طبیب بھی کر علاج کر — مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دکھیا

جولاں — میاں رمضانی جولاں تخلص مرد عزیزے است در شیوہ کمالداری خود را از اساتذہ برشمرد گاہ گاہ بر سبیل ندرت یک دو مصرع ریختہ موزوں می کند۔

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن — جیو سے لگے ہم سے شخص کیا تجھ بن

نرم لڑکے کی بنی صورت کڑی — رانگ کی تلوار یہ کس نے گھڑی

عارف — محمد عارف رفوگر در فن خود استاد بر رنگ سوزن انگشت نماست از پیوند پیکان سر رشتۂ سخن سر اسے بدست وے افتاد

ہزاروں معنی باریک آویں دلمیں اے عارف — اگر زلف سیہ کا پیچ منہ پر اس کے کھل جائے

دختر رز سے کہہ کہ اس سے ملے — ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

بسمل — بسمل آہنگ سخن گوئی دارد اما از کم بضاعت در گرد عاجز بیانی است چیزے که در دل او تراند بر لب اظہار نمی تواند آورد۔

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ — ملا تا اپنے تئیں وہ خاک و خون میں

شاغل — شاغل خود را شاگرد بسمل گوید اما شعرش از استاد بسیار بہتر است۔

جانی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ   شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

ہمرنگ

ہمرنگ دلاور خاں نام برادر حقیقی میاں یکرنگ است مزاج او پیرایۂ سادگی دارد و اکثر حرفہائے نا شمردہ برگذارند.

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا   کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھا تھا اوسکو خط ہمرنگ   اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

میاں محمدی بیدار از خوبان روزگار است فہمے تیز و تند دارد و از چندے تغیر لباس کرد باستغنائے تمام بسر برد   از وست

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دندانکو   کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

بیرنگ

بیرنگ انسی از یاران میر محمد تقی است لختے از اسلوب سخن طرازی آگاہ است

تو ہوا او باغ ہوا اور نہ زمزمہ کرنا بلبل   تیرے آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عشاق

جیون لال کھتری است عشاق تخلص میکند میر محمد تقی او را عشاق زن لچھے گویند در عرف اہل ہند کہ عبارت از مردم ابرو است عشاق زن چپی بازار گویند اکثر بگفتن شعر ریختہ و فارسی اشتغال دارد و سلیقۂ سخن فہمی از تخلص وے پیدا است.

سر سبز خط سے دونا ہوا حسن یار کا   آخر خزاں نے کچھ اوپاڑا بہار کا

رسوا آفتاب رائے نام چودھری پسر بود شوریدگی دماغ بمرتبۂ اتم داشت اصلا مقید لباس نبود از ہر جا کہ چیزے بہم میرسید میخورد و اکثر سیاہی تابہ بر چہرہ مالیدہ مست شراب در دہلی گشتے بکوچہ و بازار شہر می گردید خیل خیل مردم ہمراہ صورت عجیب و غریبش ملاحظہ نمودہ ہمراہ او میگشتند مدتے چند ماہ است کہ ہمیں احوال از جہان رفت.

قفس سے دو ل گئے ہم اور چمن میں جا نہیں — اڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پاے نہیں
آرام تو کہاں کہ تنگ سو کے چپ رہوں — آنسو بہے نہیں رہتے کہ بھلا رو کے چپ رہوں
وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو — اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے
ہر گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در — ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

فرحت

شیخ فرحت اللہ فرحت از اولاد قاضی مظہر خلیفہ شاہ بدیع الدین مدار است دلش از دست حریفان بہم رسیده و سوداے مفرط در دماغ پیچیده است گاه گاه در مجلس مراختہ که اختراع این بروزن مشاعره است بنظر می آید و بسیار جوشش در دل گرمی می نماید۔

یار اٹھ گئے جہاں سے اغیار رہ گئے — خالی ہے چمن ستی گل خار رہ گئے
نہیں ہے قدر تری دو جہاں میں اے فرحت — کسو کے چشم سے ہوں اشک کے گرا تو نہیں
آتی ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی بو آج — سچ کہہ تجھے سوگند ہے آتی ہے کدہر سے
تیرا گناه میاں ہم نے کیا کیا ہوگا — یہی گنہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا
جو کچھ کہ ہم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ کہا — بیرا برا ہوا گر میں نے کچھ کہا ہوگا
میری لوح مزار او پر لکھنا — کوئی دل کو کسی سے مت لگانا

میر ہادی در کمال سعادت پرستی و نیک نہادی از قدیمان خانہ زاد آن اللہ خاں کشمیری است درین ایام بتقریب وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں پایہ امتیاز دارد اکثر در انجاح حاجات خلائق کوشش ہاے بلیغ بکار می برد ابیات دیوانش قریب ہزار بیت از نظر گذشته بعد یک دو ورق شعر با مزه می آید

صدقے تیرے ہو کے مر گئے ہم — کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

خنداں خنداں پھرا جدھر تو — گریاں گریاں ادھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو — ہاں دی اُسے دیکھ مر گئے ہم
نامے کو تو لے گیا ہے قاصد — دل دھڑکے ہے کیا جواب آوے

عاقل

عاقل رائے سنگھ نام مردے سپاہی پیشہ متوطن پنجاب از آشنایان قدیم مرزا صاحب است طبع موزوں دارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فکر می کند۔

نہیں اپنے سے کیا اس کو رخصت عاقل — جب مر الیس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا — دل ہوا آنکھوں سے اب دست گریباں میرا
جب وہ کرتا ہے اُن لبوں کا وصف — عاقل اسوقت لعل اگلتا ہے

عزلت

عزلت میر عبدالولی نام متوطن سورت مردے فاضل و عالم از نبائر حقیقت آگاہ شاہ عزیز اللہ سورتی است باوجود آبادی ظاہر بتعمیر باطن مشغول است در عہد سلطنت مرزا احمد بدار الخلافت تشریف داشت شاعر دوستے در مزاج او بمرتبہ بود بلکہ برائے مناسبت ایں طائفہ گاہ گاہ خود ہم دو سہ بیت موزوں می کرد۔

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں — یہ خاک حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونی گلستاں اپنے — گئیں ہیں بلبلیں کدھر جلا کر خانماں اپنے
جس چشم نگہ کو دیکھوں غفلت کی نیند لیوے — میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
دل ہیں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامہ شیخ — یارب اس بزم سے یہ زہر کا بکڑ جاوے
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا — سوائے بیکسی اے وائے کوئی مرا نہ رہا
اوسکو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں — کسی بدخواہ سے سنا ہوگا
نخل امید بیوفائیوں سے — دل سلامت ہے تو پھل پایا

تجرد

میر عبداللہ تجرد شخصے است در دکھن بندہ از احوالش خبر ندارم زبانی میر عبدالولی کہ احوالش گذشت معلوم میشود کہ شاگرد منست

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں   خورشید کیا ہے اوسکے فلک کو خبر نہیں

میر میراں نیز شاعر دکھن است این دو شعر بنامہ او در بیاض میر عبدالولی مسطور نوشتہ یافتم دیگر احوالش معلوم فقیر نیست۔

آہ گر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے   اشک قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے
بس کہ ہے آتش غم تیز درونی میری   ناوک ناز ترا دل ستی سوزاں گزرے

نثار

میر عبدالرسول نثار از سرآغاز آگہے بقافیہ سنجی مشغول است بیش ازیں در دہلی بسپاہی پیشگی می گذرانند دریں ایام بسابقہ آشنائے سادات انجا بطرف امروہہ رفت

ٹک ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن   منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
واں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنے   یہاں عاشقوں کے سر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک و خوں میں   ہے صحن خانہ میرا میداں جنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار و لیکن نہ اسقدر   کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اسقدر
سونپا ہے تو نے قتل مرا غیر کے تئیں   ہوں تو گنہگار و لیکن نہ اسقدر
گھر بار جان و مال ہیں اس پر لٹا دیا   کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اسقدر

ہاتھ سے اُن جاتے ہو کے نکل جاویں گے ہم   یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

خواجہ اکرم

خواجہ اکرم مردے است نیکو سرشت اکثر ملاقات بر در میر جعفر برطرازندہ گاہ گاہ غزل ریختہ نیز فکر می کند چوں بر نوشتن ایں بیاض او را وقوفے حاصل شد

ایک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نمودہ مع دیگر ابیات
پیش فقیر آورد ازانجا کہ مادۂ تاریخ مناسب نام کتاب بود بنا علیہ ہماں اسم
موسوم نمود۔

قائم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو — کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش — پیر خرد نے مجھ سے کہا مخزن نکات

یکبار میرے دیر میں زاہد اگر آوے — میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

صبا کہہ شیخ کی باتیں تیرے پیغام کے صدقے — نہیں ہے کم لذت میں اس دشنام کے صدقے

فصل گل ہے بے سبب نہیں بلبلیں کرتی ہیں دھوم — ہر ورق پر گل کے اسکی ناز کی تحریر ہے

نالے میرے سے کوہ بھی ہو تو گل سکے — پر آہنی دلی سے ترے کچھ نہ چل سکے

سلیمان — سلیمان نظر یافتہ میر عبدالحی تاباں است از بدو حال تا سر آغاز شباب بخدمت
ادمی گذرانید چوں آن مہ تاباں از نیرنگی سپہر زنگاری در پردۂ کسوف فنا متواری
گردید ایں بابا چندے تبلاطم حوادث ساختہ آخر کار بکنارۂ تالاب فرید آباد
اقامت گزید چودھری آنجا بر حقیقت حالش اطلاع یافتہ بسلوکے کہ شایاں
خدمت باشد پیش آمد چنانچہ تا حال بلباس فقر ہماں جایگاہ بسر می برد۔

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل — کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگرداری دل

زار — مغل بیگ زار تخلص از یاران میر محمد تقی است باوجود کم بضاعتی قوت مشقے
طرز کلامش خالی از انداز نیست

مشہور تھے جو نالے میری گلی میں اوس کے — کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہوگا

مائل — میاں مائل محمدی نام اصلش دار الخلافت شاہجہان آباد است با وصاف حمیدہ

واخلاق پسندیدہ اتصاف دارد و او را در سخن طراری طرزے مخصوص است و ازانجاکہ شعرخود از نظر شاہ قدرت اللہ خاں می گذارند بہ پرتو صحبت آن یگانہ زمانہ آتش شوق بکاشانہ باطنش جلوہ افروز۔

اتنا ہیں مرکے دل سے ترے دور ہو گیا — اک دن بھی آکے تو نہ سر گور ہو گیا
مائل کرے گا کب یہ گالی کا اسکی ننگ — اس بے ادب کا اب تو یہ دستور ہو گیا
جلوہ کرنے مدرسے ہی میں تو اے جانانہ تھا — دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوت خانہ تھا
حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت رات کچھ — آج پھر کہوا اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا
غلط کہتے ہیں کہ معشوق زر سے ملتا ہے — کرے ہے کام محبت سو زر نہیں کرتا
بتو نے مل کے گنوا ہی دیا ہے دل مائل — یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا
نالہ کو ہم نے ضبط کیا ناصحا تو کیا — منہ سے تو رنگ زرد چھپایا نہ جائیگا
اشک کی طرح گرا جب تو پھر اٹھنا معلوم — میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤنگا
کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی اپنے گھر سے — میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا
غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یہاں سے — کہنے لگا کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا
تو تو مجھ پر ایک دم غصہ ہو پھر سو تا رہا — شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا
ہے قسمت جو تجھ دید سے دور رہنا — تو بہتر ان آنکھوں سے ہے کور رہنا
اگر یاد میں اس کی گریاں نہو دیں — الٰہی ان آنکھوں میں ناسور رہنا
میاں تو اس آزار سے دور رہنا — ذرا اپنے بیمار سے دور رہنا
معلوم کچھ نہیں دل غمخوار کی خبر — کیا جانئے کہ کیا ہے ہمیں یار کی خبر
بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا — کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

ہو جانہ رفتہ رفتہ تپ عشق کارگر
مائل تنا ہے تو اس آزار کی خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس
مشہور ہے جہاں میں بیمار کی ہوس

ہونے دے قیمت آگے ہی ایدل زیکا سچا
دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس

عجب صحبت برار آسکے ہے ان دونوں کی آپس میں
سدا اکدم نہیں رہتے جہاں ہو گل وہیں بلبل

سبب یہ ہیں تمہارے اغیار ہیں تو ہم ہیں
آنکھوں میں کیا سماں سمجھے ایک خدا ہیں تو ہم ہیں

جینا کا بھلا ہے تو تو پیار سے تیری بلا سے
آزار ہے تو ہم کو بیمار ہیں تو ہم ہیں

مائل سے یار وجہ مسلماں پہ ہے ستم
اللہ کا بھی اس بت کافر کو ڈر نہیں

پیا پے ساقیا دے مجکو بھر بھر جام گلشن میں
کہ دونا لطف رکھے ہے گلفام گلشن میں

مجھے آہ و فغاں ان ہم صفیروں کا خوش آتا
وگرنہ مجھ سے دیوانہ کا ہے کیا کام گلشن میں

اے یہ میں شب کہ فرض کیا میں اثر نہیں
اے آہ صبح تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

کچھ تعجب نہیں گر مر گیا مائل تیرا
یار کیا لگتا ہے انسان کے مرجانیکو

کہتا نہ تھا میں یار آہ و قسم کی اس ہی سے
آخر گیا نہ ظالم ایک بیگناہ جی سے

ہے وہاں کثرت سی پروانوں کی ناز میں
جہاں وہ شوخ شمع انجمن ہے

دل سجان عشق میں کچھ لطف طرحدار رہی ہے
تیری سر کی سوں میری جان بڑی خوار رہی ہے

یار تجھے تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات
مشہور ہے کہ یار کے پیچھے خوار رہے

ممتاز واجب الاعزاز حافظ فضل علی المتخلص بممتاز به بلند فطرتی موصوف و معامله دانی معروف است۔

رباعی

ممتاز کہ یہ تمام ایک نجور تیا
بلکش جہاں ملاقات کے آنکھ اٹھا

تنہا اسے فن سخن میں ہی دست	ہر فن میں بفضلہ تعالی ممتاز

از انجا کہ خلاصۂ طبیعتش باتل فقر و قناعت فقیر مولف نسبتے خاص دارد الٰہی موافق استعداد از نعمت کونین نصیبہ اش باد۔

جستجو سے بخوشی ہاتھ اٹھایا ہم نے | ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نپایا ہم نے
عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ | یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
جان تو حاضر ہے اگر چاہیے | دل بجھے دینے کو جگر چاہیے

آرام رائے پریم ناتھ نام خلف الرشید رائے بشن ناتھ از قوم کھتری است ظاہر حالش چوں طبیعت خویش موزوں و موزونے طبعش از خوبے خطِ ظاہرا فزوں خطاط بے نظیر و کماندار عدیم المثال است والد شریفش در پیشکاری دیوان تن دارد چوں ایں عزیز را در دارسے معاملات بہ از خود دیدہ در حین حیات ولی عہد خویش گردانیدہ است غزل فارسی بکمال تازگی و پرکارے فکر کند و گاہ گاہ یک دو بیت ریختہ نیز سر انجام دہد۔

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے جی کو | خاموشی ان لبوں کی گپ چپ ہی کی مٹھائی

آشنا لختے از سخن طرازی آشنا است بعضے اشعار از نتائج فکرش ہم رنگ و تہ دار برمی آید۔

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا | درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اس کے | نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
آشنا کے تو حال سے ظالم | اک ذرا بھی خبر نہیں رکھتا
کبھی تو مہرباں ہو ہم پہ بت | کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے

(حاشیہ: رام ورما — نظیر — آشنا)

جوں نگیں مجھ کو رکھ تو سینہ فگار | کہ ترا اس میں نام ہوتا ہے
عشق ہے خوب نہیں اتنی بھی جلدی اے دل | دیکھ تو لے تو گرفتا کہاں ہوتا ہے
آشنا حیف تری قدر نہ جانی اس نے | ورنہ تجھسا تو وفادار کہاں ہوتا ہے

نہیں معلوم کس کے غم میں ہے بیقرار اتنا | نہ پایا اس دل بیتاب کا کچھ مدعا ہم نے
آشنا کیا ہے کہ آخر کو | تجھ سے خانہ خراب کی صورت
عالم میں ہے جو کوئی نالاں ہے تجھ ستم سے | ہاتھوں سے تیرے شکوا ظالم کہاں کریں ہم

۱۸۱ میر یادگار علی سید تخلص جوانے است سپاہی پیشہ از سادات قصبہ بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات است طبع موزوں دارد اکثر غزل ریختہ فکر کند از بسکہ متصل فقیر خانہ می باشد ہمیشہ اتفاق ملاقات میشود خدایش زندہ دارد۔

خدا کے واسطے صیاد تہ کر اب تو دام اپنا | کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا
خوشیں باقی ہیں دل میں تپ آتی ہے بہار | دیکھئے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار
کیا اب امید کریں وصل کی تجھ مر تے | عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے کھینچ بھرتے
کیا کہوں اپنی میں نحوسی طالع سے کہ جغد | آ تا ہے مرے ویرانہ پہ ڈرتے ڈرتے
میاں سرمایہ اپنی مفلسی کا | یہی اک دل تھا سو تیری نظر ہے

۱۸۲ نور بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرت مرزا صاحب است طبع سلیم و فہم درست دارد اگر دنبال انداز گوئی والا ہمت گیرد بادک روئے اصلاح پذیرد۔

عالم از بسکہ تری شوخی سے بیداد ہے | جو کوئی ہے سو تیرا اٹھ ہے فریادی ہے
پوچھتا کیا ہے خبر مجھ سے جو آگی یار نے | سب ادھر ہی کو چلی ہیں اگر آبادی ہے

لالہ خوشوقت رائے شاد آبا سولد او قصبہ جاند پور است ہیولائے استعدادش

قبول تربیت بآسانی کند از نثر نویسی نصیبہ وافی اندوختہ با قران و امثال خود باعزاز و امتیاز بسر می پرداز بجاکہ بسیار مؤدب و مہذب است جائے او در خلوت سرائے دلہا خالی است گاہ گاہ بایمائے فقیر مشق ریختہ میکرد ایں از وست ۔

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام کے تئیں
کیا زیب ہے کفر نے اسلام کے تئیں

بس ہو چکی شفا دل آزار کے تئیں
اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں

کہتا ہیں شیخ کہ پڑھ قبلہ رو نماز
گر دیکھتا اس ابروئے خمدار کے تئیں

جب تک لہو کا ہم نے ترکال سے تو ابرو چڑھا
تیر کے ہوتے کبھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے متخلص بوفا جوانیست نوخاستہ بہیچ دفا
صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن و جودت فہم اصابت رائے و لطافت
مزاج بمرتبہ اتم دارد ہمین برادرش زادہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الامرا
نواب نجیب الدولہ بہادر است وایں عزیز بتحصیل بعضے پرگنات آن روے
گنگ نیز اشتغال دارد طلب بکمال دامنگیر حال اوست گاہ گاہ دو سہ
مصرع ریختہ بشستگی و رفتگی سرانجام دہد ۔

عارض پہ تمہارے ہے پسینا
ہیرے کا ہے لعل پر نگینا

اس غم میں بھی اگر رہا سلامت
پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ

مجھ سے کس سے دل احوال اپنا
پڑا ہے یہاں ہمیں جنجال اپنا

خجل ہو دل اپر طوفان بار کے
بہ کو دل تک اگر رو مال اپنا

ہووے گا دل سے تجھ غم یار کب تلک
کیوں ناتشیں ہو جاویگا آزار کب تلک

کہنے لگا وہ سن کے میرا نالہ و فغاں
بیتاب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک

شعلہ درہم باؤ سے ہوتا نہیں اے اہل بزم / شمع سر دھنتی ہے کر کر یاد پروانے کئیں

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں / ورنہ ہے ایک ہی کعبہ و بت خانے میں

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت / آخر اک دن وہی ٹھکانا ہے

کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری / ہم زر داغ سے جسکے نہ خریدار ہوے

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے / کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہے

کل دل کو لیا مکر گئے آج / بس آپ کا اعتبار دیکھا

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور / جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

ہوتے تو دل رہے سنج میں گرفتار ہو گیا / اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا

تجھے صفائی شست تیری چشم کا دہی / جس کے جگر سے تیر نگہ پار ہو گیا

دیتا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا ولیک / جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

ایسے مزاج کے کہیں دیکھے ہیں باوفا / کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہو گیا

بھر دم سے وجود دل اوسکے گرد فقال / شغل تھوڑا ابھی بھلا ہوے ہے بیگار سی

گو پیچ عشق کی ہے راہ خطرناک تنا / جو قدم یہاں اوٹھے یار تو ہتیاری

کچھ خبر ہے نہیں نظر آتی تجھے کہ آج / نکلتے ہیں وہ کس کے کان سے اغیار و میکشی

اپنی ہی چشم کم تاب نظر نہیں / ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اے شیخ / واں کے معاملے کسی کو خبر نہیں

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہو اغیار کے / یہ کچھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

جوں اشک پھر اوٹھا نہ زمیں سے / یا بسکہ میں گرا ہوں کسی نظر سے

آتش کا میرے وہ عشق کے چرچا / نکلا نہ تمام روز گھر سے

آیا گھڑی نہ ہوش میں اپنی تمام عمر
بیمار ہی وفا بھی رونے سے مستانہ ہو گیا

عشق میں امتیاز رتبہ نہیں
خاکپائے ایاز ہے محمود

بت سے لیتے ہیں کام حضرت حق
شیخ ٹک دیکھ اعتقاد ہنوز

دل کو کہیں ہے جی میں گرفتار کیجئے
یعنے کسی صنم کتیں پیار کیجئے

گر مانگتا ہے جی کتیں دیجئے وفا
کیا چیز ہے کہ دست سے انکار کیجئے

حباب آسا نہ بھول ہستی پر اپنی
کہ غافل کیا بھروسا ہے نفس کا

دکھ نہ دے اسقدر وفا کتیں
عاقبت وہ بھی جان رکھتا ہے

اپنی غرض کو ہم تو ہمی کچھ سہیں گے لیک
ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زباں خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بستر گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ اگر کیا بھی اون نے اے محرم تو کیا
یہاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

ایک راہ کوئے زلف سو سر بستہ اے وفا
ہم آہ کس طرف کتیں لیں سراغ دل

نوبت غم فراق میں پہنچی ہے جان تلک
ظالم شکیب و صبر پھر آخر کہاں تلک

اس کو منظور یہاں سے جانا تھا
گریہ میرا فقط بہانہ تھا

دل نہ کرنا تھا اس طرح سے خراب
عاقبت وہ ترا ٹھکانا تھا

پھول سا بہتے لب دریا جو دیکھے ہوں تو آ
ساتھ آنسو کے ہیں یہاں قطرۂ خوں ناب رواں

کشت اپنی نہ ہوئے سبز فلک سے گاہے
ہے وفا آٹھ پہر گوشۂ دولاب رواں

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں کے
کہ کوچ ادھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

پہنچے ہے یک نگاہ پہ دل کتیں وفا
لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

حال دل کیوں کے کہوں اس سے وفا خلوت میں
جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

راضی وہ ہوکے راستے ہی بیچ میں نکل گیا | عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا
اتنا نہ تنگ ہو مرے رہنے سے یہاں کہیں | یہ ہی نہ شوخ گر نہ گیا آج کل گیا
ہے کنول بنے ہیں پا انگلیوں نے بناگ میں | مل رہا ہے وہ طرح پانی کے ہر ایک ناگ میں
ایک دم بھی بیر رفتن کی نہ ہم لیوائے جہل | عمر صد سالہ گنوا دے فکر نام و ننگ میں
شعلہ زن رہتا ہے ہمیشہ داغ اپنا | بجھ نہیں جاتا چراغ اپنا
یہاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام | آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا
ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے | عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے
عقدہ پر عقدہ کئے چرخ نے مضبوط اگر | اک گرہ رشتۂ مقصود سے وا کی ہم نے
ڈر رہے اس وقت کا ظالم کہ ہول منہ | جس گھڑی رو بفلک ہوکے دعا کی ہم نے
ور رونے دل کی سو سے تفاوت نکیا | اپنے سے کتنے ہی دارو دوا کی ہم نے
نہ کشتی پار ہی بہ گئی اپنی نہ وار آئی | ہوئے ہم غرق دریا اس گھڑی جب عین دھار آئی

سلیقہ گہرا ب میتاب کم دماغ و خلوت دوست است رنگ سخن و ربط کلام نیکو فہمد شعرش روز بروز در ترقی است انشاء اللہ تعالیٰ بزعم تا تواں بینی روزگار در اندک مدتے بہار فکرش رنگے دیگر پیدا خواہد کرد با فقیر قدم دوستی دارد او تعالیٰ بر عمرش بیفزاید۔

نہ ہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم | پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص | کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں | پر تری بندہ نوازی سے کچھ دور نہیں
قصر شہ دیکھا میں اور کلبۂ درویش بھی یہاں | بہر آرام کوئی خانہ بہ از گور نہیں

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں جی میں ہیں کچھ وہیں ہم انکو اس طرح چاہیں

ادھر نالا کیا ادھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دل تھے وہ جن روزوں میں سکھتی تھیں اثر آہیں

کر کنارہ کشی سے نفس کے دل کا روشن آئینہ
[illegible] کے فیض سے ہوتا ہے آہن آئینہ

اہل دل تزئین ظاہر کے نہیں طالب دیکھ
خانۂ چینی میں مت رکھتا ہے مسکن آئینہ

آہ [illegible] سینے میں آتش کو [illegible] رونے
دل سے لیکر منہ تلک اٹھا ہوا ایک دود ہے

[illegible] کو [illegible] یہاں [illegible] قبول
[illegible] اس پر جو کہ اس درگاہ کا مردود ہے

[illegible] خدا کے [illegible] ایک
اس گلزمین میں دیکھتے ہزاروں [illegible]

جی میں ہے انکی بات میں [illegible]
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں سے ہے

[illegible] انتظار میں اپنی کٹی ہے یہاں
اب تک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہا

یوں [illegible] شام غم کا [illegible]
جس طرح کٹتی ہیں گھڑیاں اہل صوم افطار کی

جانماز بچھا کرنے سے کیا حاصل تھا شیخ
کاش ہوں [illegible] دکان ہوتی کسی خمار کی

میں اور اقبال [illegible] کیا [illegible]
[illegible] آتی ہے گھڑی دیدار کی

میں [illegible] توبہ کی نہیں [illegible] ہے
گو کہ نادانی سے اپنی میں نے استغفار کی

محبت [illegible] تاثیر مجنوں کی
کہ [illegible] لیلیٰ نہیں [illegible] تصویر مجنوں کی

نہ ہو [illegible] اس [illegible] کا نشانہ
ہے [illegible] تصویر مجنوں کی

کسی لیلیٰ [illegible] دل مجنوں
کہ دیوانے نصیحت ہے [illegible] مجنوں کی

ہیں گرا افتادگاں [illegible] لیکن
توقع ہے تو ہی تیرے کرم کی دستگیری

عشق میں [illegible] ہے
[illegible] یہاں ناچار [illegible] ہے

شب [illegible] اپنے پاس
گو [illegible] دور اندیش ہے

جیب سے لے ناف تک یہ زاہدا — ریش ہے یا رنگرو کیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے — نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یہاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے — ہل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائے سب عمر — اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

آلودہ انواع جرائم فقیر مولف قیام الدین قائم ہر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تا ایں حال بتوسل نوکری بادشاہے بدار الخلافت شاہجہان آباد گذارندہ و لیل و نہار بمقتضائے مناسبت بصحبت سخن سنجان عالی مقدار بسر بردہ دریں ایام کہ رشتۂ سلک انتظام مردم بادشاہے بصدمۂ انقلاب سلطنت از ہم گسیخت و ہر یکے چوں لآلئے آبدار بر خاک مذلت افتادہ رو بہر سو نہاد و چارہ ناچار بلکہ بے اختیار ارادہ سفر برائے اقامت غالب آمد فرصت را غنیمت انگاشتہ مصمم ساخت کہ نسخۂ از روزنامچۂ اعمال و برخے از جریدۂ احوال ہر کدام بقید قلم در آوردہ در حالت جدائی انیس تنہائی سازد با لجملہ بعد جد بسیار دو کد بیشمار ترقیم ابیات و تصحیح حالات سخنوران متقدمین و حال بسر کردہ و ایں طے سان ہزار پیوند بدیں ابیات مجموعے بنظر ارباب بصر جلوہ گری بخشد او سبحانہ تعالیٰ ایں صاحب صد زبان را بدست آرزو مندہر جنس سخن اندازد و از چشم بد نافہم مصئون داشتہ بحفظ حمایت خویش محفوظ دارد۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است — تو بدیں آرزو مرا برسال

میخواستم کہ باوجود انتشار اعزہ بااستکتاب خویش نہ پردازم و دل ہوس بیار

را ازیں اندیشہ فضول خالی سازم چہ نور نجوم در برابر ماہ تاباں معدوم است
وجلوۂ ذرہ بحضور خورشید رخشاں معلوم الا بحکم کلیہ استاد کہ گفتہ است۔

بدریائے لولو صدف نیز ہست ۔۔۔ درختے بلند است در باغ و پست

جسارتے بکار رفت تقاییم۔

دل پاکے اس کے زلف میں آرام رہ گیا ۔۔۔ درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
جھگڑے میں ہم مبادی کے یہاں تک پہنچے آہ ۔۔۔ مقصود تھا جو اپنے تئیں کام رہ گیا
قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند ۔۔۔ کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار ہے اور نے یہاں وہ دل ۔۔۔ کہنے کو نیک بد کے ایک الزام رہ گیا
اے ابر اپنے گریہ میں جس وقت جوش تھا ۔۔۔ جو قطرہ اشک تھا سو طوفاں بدوش تھا
کھلکی نگاہ گرم تھی گلشن پہ اے نسیم ۔۔۔ شبنم سے برگ گل لب تبخالہ جوش تھا
کیونکر کہوں کہ مست کیا کس نے میرا دل ۔۔۔ تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا
پھیر کے جو شوخ نظر کر گیا ۔۔۔ تیر سا کچھ دل سے گذر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوئیں ۔۔۔ قافلہ عمر سفر کر گیا
خون شرر کاغذ آتش زدہ ۔۔۔ شام غم اپنی میں سحر کر گیا
جلوہ کس جا پہ نہیں اس بت ہرجائی کا ۔۔۔ یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب نہیں کیونکر گذری ۔۔۔ غم نہیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ ۔۔۔ کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا
ٹکڑے کب غم نے یہ جگر نہ کیا ۔۔۔ نہ کیا نالہ ہم نے پر نہ کیا

دل سے طوفانِ گریہ اُٹھے ہزار — ہم نے پر ایک قطرہ کو تر نہ کیا
پائے دیوار دوست کے شدت — ہم نے کاٹے پہ نالہ سر نہ کیا
موج گرداب کی طرح ہم نے — گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا
کار دنیا پڑا بہر کے ہاتھ — جب کہ ہم نے یہ دردِ سر نہ کیا
دل نہ دنیا ہی خوب تھا پر حیف — ہم نے یہ شوخ پیشتر نہ کیا
بارہا دل گیا اسی رہ سے — پر تقید میں چشم تر نہ کیا
دوس کیا دیجئے جور کو قائم — بند گھر کا میں آپ در نہ کیا

ٹوٹا جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ — کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جاے گا
ہے آپ سے بھی توقع غلط کہ ناخن فلس — کبھی نہ کھینچئے دیکھا میں خار ماہی کا
کہاں ہیں دیدہ گریاں کہ اب بقید عمر — کریں علاج ہم اس اپنی رو سیاہی کا
فلک جو دے تو خدائی کو لے ہے اب قائم — وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا
میں نہ وہ ہوں کہ تنک غصے میں ٹل جاؤنگا — ہنس کے تم بات کرو کے میں سنبھل جاؤنگا
ہم نشیں کیجیو تقریب تو شب باشی کی — آج کر نشاءہ کا حیلہ میں مچل جاؤنگا
دل میرے ضعف پہ کیا رحم تو کہتا تا کہ نہیں — جان سے اب کے بچا ہوں تو سنبھل جاؤنگا
سیر اُس کوچے کی کرتا ہوں کہ جبریل جہاں — جا کے بولا کہ بس اب آگے میں جل جاؤنگا

آپ جو کوچے سے تیرے جائیگا — کچھ سمجھ کر ہی پھیر آئے گا
دل کہاں تک اٹھائے جور تیرے — تجھ سے اب دل ہی کو اٹھائے گا
خس نمط ساتھ موج کے لگ لے — بہتے بہتے کہیں تو جاے گا

تمت بالخیر

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے، دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے، اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکۂ عثمانیہ)

اُمید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے۔

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اردو

یہ انجمن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے اور محققانہ اور تنقیدی مضامین درج ہوتے ہیں ہندوستان بھر میں یہی ایک خالص ادبی رسالہ ہے جو اس اہم خدمت کو خاص حیثیت سے انجام دے رہا ہے - اردو مطبوعات اور رسالوں پر اس کے تبصرے امتیازی شان رکھتے ہیں-

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک آٹھ روپیہ سکۂ انگریزی

[نو روپیہ سکۂ عثمانیہ]

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

DUE DATE